digest Library.com

زندگی دھوپ تم گھنا سایہ

Digest Novels Lovers Group

ام مریم

اس نے احتیاط سے موڑ کاٹا، دائیں جانب گہری سرسبز گھاٹی تھی تو بائیں جانب اونچے پہاڑ پر سدا بہار پائنز کے سر بفلک درخت پوری شان سے ایستادہ تھے، پہاڑی ڈھلان میں گھنی ہریالی تھی اور ہریالی میں تاحد نگاہ پھیلے ہوئے سر اٹھائے خودرو پھول یوں لگ رہا تھا، جیسے آسمان کے ستارے زمین پر اتر آئے ہوں قدرے فاصلے پر چند پہاڑی دوشیزائیں سر پہ خشک لکڑیوں کے گٹھے اٹھائے ڈھلوان سے اتر رہی تھیں اور گویا اس سحر انگیز ماحول کی خوبصورتی میں گراں قدر اضافے کا سبب بن رہی تھیں ان کی رنگ برنگی اوڑھنیاں جب ہوا کے شریر جھونکوں سے لہراتیں تو ان کو سنبھالتے ان کے نازک بدن لچکیلی ڈال کی مانند بل کھانے لگتے، اس نے بے ساختہ و بے اختیار اس سحر طاری کر دینے والے منظر سے نظر چھڑائی اور لبوں کو باہم بھینچتے ہوئے گاڑی کو سڑک کے کنارے پارک کیا اور خود دروازہ کھولتا ہوا باہر آ گیا، گرد آلود ہوا کے گرم جھونکے نے اس کا استقبال کیا، جیب سے سن گلاسز نکال کر آنکھوں پر چڑھاتے ہوئے اس نے قدم بڑھا دیئے، راستے میں سڑک پہ دو جگہ پھسلن تھی، احتیاط سے قدم جماتے ہوئے بھی وہ تیسری مرتبہ پھیلا، وہ یہاں آنا نہیں چاہتا تھا، بالکل ویسے جیسے وہ اپنی زندگی میں بہت سے ایسے کام نہیں کرنا چاہتا تھا مگر اسے کرنا پڑے تھے، ویسے ہی وہ نا چاہتے ہوئے بھی یہاں آنے پہ مجبور تھا، پچھلے چار سالوں سے وہ اس عمل نہ چاہتے ہوئے بھی انجام دے رہا تھا، یہ جاننے کے باوجود کہ یہاں کی گرمی نہ قابل برداشت ہے درجہ حرارت سائے میں بھی 57 ڈگری تھا اس

مکمل ناول

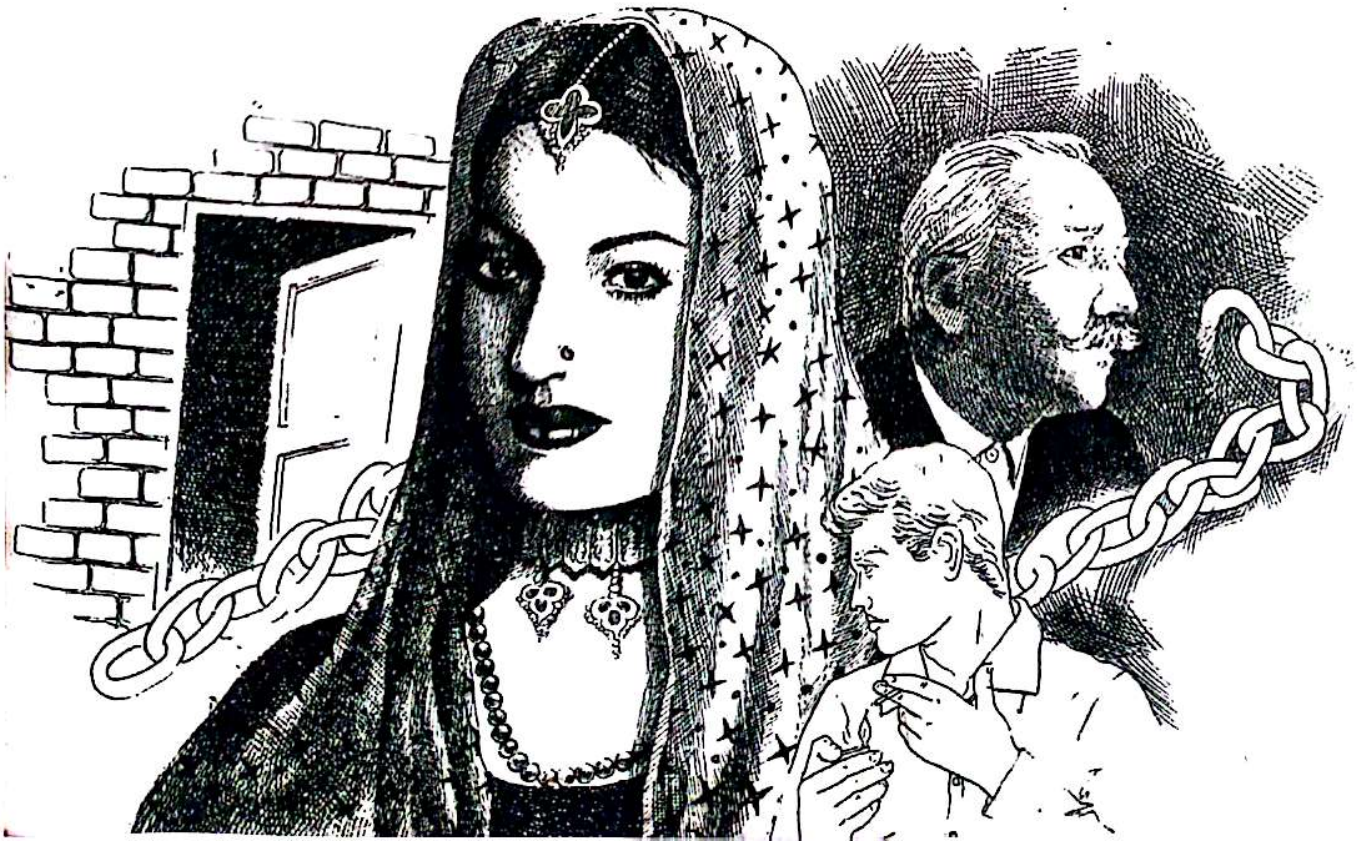

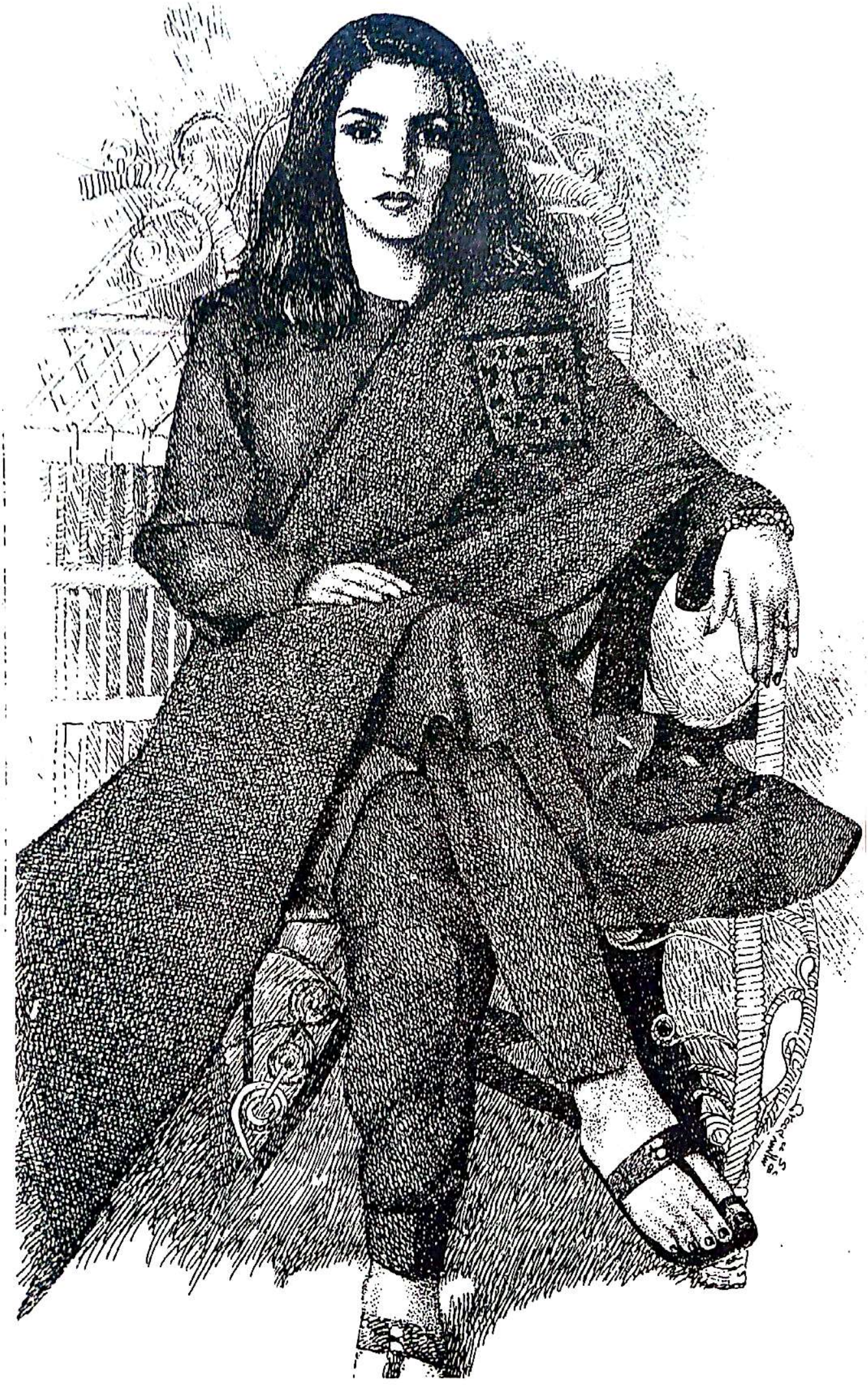

نے یونہی چلتے ہوئے اپنے چہرے پہ بہتا پسینہ صاف کیا اور پھسل کر سنبھلتے ہوئے رک کر گہرا طویل سانس کھینچا، اب وہ اپنی گاڑی سے اتنا دور نکل آیا تھا کہ پلٹ کر دیکھنے پہ بھی نظر نہیں آئی،

ان ٹیڑھے میڑھے اونچے نیچے راستوں پہ جانے کتنے ان گنت موڑ مڑ آیا تھا، اب وہ ایک چراگاہ سے گزر کر سبزہ زار میں داخل ہوا، اسے ایک بار پھر ٹھوکر لگی، شاید وہ بے دھیانی اور غائب دماغی کی کیفیت میں تھا، اسے وہ دن وہ پل وہ لمحے نہ چاہتے ہوئے بھی یاد آ رہے تھے، وہ جنہیں وہ ہمیشہ کے لئے بھلا دینا چاہتا تھا، ہر خیال کو جھٹکتے ہوئے اس نے راہ میں پڑے اس پتھر کو جوتے کی نوک سے دور اچھالا جس سے اسے ٹھوکر لگی تھی، اب اس کے سامنے وہ سیدھی چٹان تھی جو ہموار زمین سے سیدھی آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھی

''ڈاکٹر بلال آپ دیکھیئے گا میں اس پہاڑ کو سر کرلوں گی بالکل ویسے جیسے میں نے آپ کو حاصل کرلیا، پوری دنیا کی مخالفت مول لے کر بھی پاپا جیسے باپ کے حکم کی سرتابی کرتے ہوئے۔'' وہ ایک آواز کی بازگشت نے دھیرے سے اس کا دامن تھاما تھا اور ذہنی رو بہک گئی تھی، ہلکے گلابی شیفون کے خوبصورت کڑھائی سے سجے لباس میں کھلے ریشمی بالوں پہ پنک اونی کیپ اوڑھے وہ اپنے بہکا دینے والے دلکش سراپے سمیت اس کے سامنے تھی، سفید اجلا چہرا جوش کی شدتوں سے پہلے گلابی اور پھر دھیرے دھیرے سرخ پڑنے لگا، درخت کے کٹاؤ پے بیٹھا وہ جانے کب تک خود سے اور اطراف سے غافل رہتا اگر اسی پل اس کے قدموں کے عین درمیان سے گلہری اچھل کر مخالف راستے پہ دوڑتے ہوئے درخت پر نہ چڑھ جاتی، تسلسل بکھر گیا وہ لب بھینچتے ہوئے جیب سے سگریٹ کیس اور لائٹر نکالنے لگا۔

''میں تمہاری خاطر پوری دنیا کو بھی ٹھکرا دوں گی سانول ٹرسٹ می مجھے صرف تمہارا ساتھ چاہیے تم ساتھ ہو تو میں ان سخت پہاڑوں کے درمیان ایک معمولی جونپڑی میں بھی گزارہ کرسکتی ہوں۔'' وہ کش لے کر دھواں بکھیر رہا تھا جب دائیں جانب سے ابھرتی اس نسوانی آواز نے اسے اپنی جگہ پہ منجمد کیا تھا، اس نے محسوس کیا وقت اسے پانچ سال پیچھے لے گیا ہے، وہ نا چاہتے ہوئے بھی پلٹا، بلیک جینز پہ وائیٹ اسٹائلش سے ٹاپ میں شانوں تک کٹے بالوں اور دلکش خدوخال کی مالک وہ ماڈرن دکھائی دیتی شہری لڑکی اس پہاڑی نوجوان کے ساتھ اس کے ہاتھ تھامے بھرپور یقین سے کہہ رہی تھی، شاہزادوں سا حسن و جمال رکھنے والا وہ پہاڑی نوجوان یقیناً اپنی محبوبہ کے منہ سے یہ اظہار سن کر خوشی سے پھولا نہ سما رہا تھا، اس کے چہرے پہ تفاخرانہ مسکراہٹ اس نے دیکھی اور یہی نتیجہ اخذ کر پایا۔

digest library.com

''مجھے تمہاری بات کا یقین ہے ایما، اب مجھے کسی قسم کا کوئی خوف نہیں میں بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کوئی بھی بڑا قدم اٹھا سکتا ہوں۔'' جواباً وہ چہک کر کہہ رہا تھا اور ڈاکٹر بلال کا جی چاہا قہقہہ لگا کر ہنسے اس قسم کا جوک اس کے ساتھ بھی وقت نے حالات نے کھیلا تھا، پانچ سال قبل تب وہ بھی تو یونہی حماقت کر بیٹھا تھا کسی کی جھوٹی باتوں میں آ کر خود کو عمر بھر کا روگ لگا لیا، اس کے اندر کوئی دھیرے دھیرے سسکنے لگا۔

کل رات میں نے
گلی میں موت کو دیکھا
وہ بالکل اس زندگی جیسی تھی
جیسی زندگی میں
تمہارے بغیر جی رہا ہوں

قانون قدرت ہے، واپسی کا سفر ہمیشہ

یاسیت افسردگی ہی نہیں تھکن کو بھی ہمراہ کرلیا کرتا ہے، گو کہ اس کا تو اب ہر سفر ہی اپنے ہمراہ یہ سوغاتیں لازماً چھوڑتا تھا، مگر واپسی کا سفر، ہونٹوں کے درمیان سلگتے سگریٹ کو انگوٹھے اور انگشت شہادت کی مدد سے نکال کر کھڑکی کے رستے دور پھینکتے ہوئے اس کے ہونٹوں سے بے اختیار گہرا سانس خارج ہوا اس نے تھکی تھکی سی ایک نگاہ غروب ہوتے آفتاب پہ ڈالی، سرخ آتشیں گولہ دھیرے دھیرے غائب ہوتا جا رہا تھا، ہر منظر پہ جیسے یہی ایک رنگ چھا گیا، ہر سو خاموشی اور ویرانی کا بسیرا نظر آنے لگا اسے اچانک گاڑی کی اسپیڈ کم کرنا پڑی، درخت کی اوٹ سے نکل کر ایک بچھڑا گاڑی کے سامنے آگیا تھا، اسٹیرنگ وہیل سے ہاتھ ہٹا کر اس نے تسلسل سے ہارن بجایا، چوپایہ بدحواس ہو کر سڑک کے دوسرے کنارے کی سمت بھاگا، تب اس نے گاڑی آگے بڑھائی تھی، اس کی سپاٹ نگاہیں ونڈ اسکرین پہ تھیں، تو ذہن میں بلا کا شور ہنگامہ برپا تھا، شام کے سائے گہرے ہوتے ہی گرمی کا زور ٹوٹ چکا تھا، ہلکی ہلکی مگر خوشگوار ہوا سے اب درخت سرمستی کی کیفیت میں جھومتے محسوس ہو رہتے تھے، اس نے سر اونچا کر کے آسمان کو دیکھا، سیاہ بادل اُمڈے چلے آ رہے تھے اور ان سے بچتا بچاتا ہیرے کی مانند چمکتا دمکتا ننھا منھا سا اکلوتا نوخیز ستارہ جگمگ جگمگ کرتا دکھائی دے رہا تھا، اس نے کچھ سوچ کر گاڑی کی اسپیڈ بڑھائی تھی، شام کچھ اور بھی گہری ہو چکی تھی کہ سورج مکمل طور پر غروب ہو چکا تھا، فضا میں موجود نارنجی رنگوں پہ اندھیرا اب تسلط جما چکا تھا، سفید خورد اور پھول اور درخت انہی سایوں اور دھندلے غبار میں تیزی سے گم ہوتے جا رہے تھے، پہاڑی ڈھلان پر واقع اونچے نیچے گھروں میں جھلملاتی روشنیاں دور سے کسی جگنو کی مانند

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیے

ابنِ انشاء

اردو کی آخری کتاب 165/-
خمار گندم 200/-
دنیا گول ہے 325/-
آوارہ گرد کی ڈائری 200/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں 300/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے 180/-
نگری نگری پھرا مسافر 225/-
خط انشا جی کے 300/-
بستی کے اک کوچے میں 200/-
چاند نگر 165/-
دل وحشی 165/-
آپ سے کیا پردہ 250/-

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو 300/-
انتخاب کلام میر 60/-

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر 160/-
طیف غزل 120/-
طیف اقبال 120/-

[illegible]، چوک اردو بازار، لاہور
[illegible]: 7321690-7310797

بھی تو جلدی چھا جاتا ہے، ایک دھند آلود ہوا کے جھونکے ونڈ اسکرین کو چھوا تو شیشہ دھندلا نظر آنے لگا، موسم بدل رہا تھا بارش کے امکان بڑھتے جا رہے تھے، آسماں کو بادلوں سے بھرتے دیکھ کر اس نے تشویش سے سوچا، بارش کے بعد ان ڈھلوانی راستوں پہ پھسلن بڑھنے سے ڈرائیو میں مزید دقت کا سامنا ہوتا ایک گھنٹہ بعد وہ اپنی رہائش گاہ کے بند دروازے پہ موجود ہارن بجا رہا تھا، گیٹ وا ہوا اور گاڑی سرخ بجری کی روش پہ دوڑتی ہوئی پورٹیکو میں جا رکی، بادل زور سے گرجے تو بجلی کی تیز لپک گاڑی سے باہر آتے ڈاکٹر بلال کے سراپے کو اس نیم تاریک ماحول میں ایک دم بہت واضح کر گئی، پورٹیکو سے آگے اندرونی حصے کی جانب جاتی سیڑھیوں پہ قدم رکھتے ہوئے اس نے آسمان سے گرتی بوندوں کو اپنے وجود پہ محسوس کیا اور پورے وجود میں جیسے سوئیاں سی چبھنے لگیں، کمرے تک آتے وہ جیسے تھکن سے نڈھال ہو چکا تھا، خود کو بیڈ پہ گیلے کپڑوں اور کیچڑ سے بھرے جوتوں سمیت گراتے ہوئے اس نے ہارے ہوئے انداز میں خود کو ان یادوں ان اذیتوں کے حوالے کرنے میں کوئی مزاحمت نہیں کی جن سے بچنے کو وہ پچھلے پانچ سالوں سے خود سے بھی بھاگ رہا تھا۔

رستے سارے کالے ناگ اور تیز ہوا
اک دیا ہے ہاتھوں پر اور ننگے پاؤں
ان آنکھوں سے ان آنکھوں تک لمبے رستے
صدیوں جتنا ایک سفر اور ننگے پاؤں

آزمائش کڑی ہی ہوا کرتی ہے، سہہ بھی لی جائے گزر بھی جائے، تب بھی آثار چھوڑ جایا کرتی ہے، تباہی کے آثار ریاضت کے آثار، وہ آج تلک فیصلہ ہی نہ کر پایا، البتہ اس اعتراف میں عار نہیں تھا کہ وہ لڑکھڑایا تھا تو پھر سنبھل نہیں سکا، بھلا ہوا نہ ہوگا کبھی ایسا کہ کسی سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہو اور معافی کی گزارش اور التجا نے اس احساس کے بوجھ ندامت اور پشیمانی کو نہ دھو ڈالا ہو، پھر وہ کیوں بے چین و بے قرار تھا، جانے آج تک کتنے واقعات ایسے تھے جو صفحہ ہستی پہ درج ہوئے ہوں، کہ کس کے پاس امانت رکھی گئی ہو اور اس امانت میں خیانت کر دی گئی ہو، وہ بھی خائن ٹھہرا تھا، نا چاہنے کے باوجود پتہ نہیں کیوں بہت سے کام اس کی زندگی میں اس کی مرضی کے خلاف ہو گئے تھے، خائن بننے کے بعد وہ چاہتا بھی تو خوش اور مطمئن نہیں رہ سکتا تھا، زندگی میں ہونے والے ایک بڑے گناہ کی سزا تو ملنا تھی نا، اس نے بے چینی سے کروٹ بدلی تھی، کمرے کا دریچہ ہوا کی شوریدہ سری کے سامنے بے بس دکھائی دیتا آپوں آپ کھلتا بند ہونا شور پیدا کر رہا تھا، بجلی کی کڑک بادلوں کی گڑگڑاہٹ کی گونج اور بارش کی آواز مل جل کر اس کے دل کی ویرانی اور وحشت کو بڑھاوا دے رہی تھیں، اسے وہ دن پوری جزئیات کے ساتھ یاد تھا، جب قسمت نے اس کے ساتھ ایک انوکھا کھیل کھیلا تھا اور سب کچھ ہی ایکدم سے بدل گیا تھا، اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں اچھالا اور آنکھیں موند کر سر تکیئے پہ رکھ دیا، ایسا تو اکثر فلموں ڈراموں میں ہوا کرتا ہے، اس نے اپنے کمرے میں آ کر اس نے انتہائی بے زاری سے سوچا تھا، مگر میری زندگی کوئی فلم یا ڈرامہ نہیں ہے، میں کل صبح پہلی ٹرین سے واپس چلا جاؤں گا جاب ہی ہے نا، جہاں اللہ نے مشکل وقت میں یہ سہارا دیا تھا، وہاں آگے بھی مایوسی سے ہمکنار تو نہیں کرے گا، مگر یہ سودا نہیں، میں یہ جوا نہیں کھیل سکتا، وہ اپنے والدین بلکہ والدین کیا بیوہ ماں کا اکلوتا چشم و چراغ تھا، چند ایکڑ زمین اور اس کی بوائی سے حاصل ہونے والی آمدنی کیسے کھینچ تان کر اماں نے اسے یہ تعلیم

digest library.com

دلائی، پھر اس کے بعد تین سال تک جوتے چٹخا کر یہ جاب مل پائی، شہر کوئٹہ کے خوبصورت بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان شہر سے نسبتاً الگ تھلگ علاقے میں پہاڑ کی چوٹی پہ ایستادہ یہ جدید ترین سہولیات سے آراستہ ہاسپٹل آغا خان ابراہیم کے زیر سرپرستی تھا، جس کی سفید ماربل سے چمکتی عمارت دور سے ہی دیکھنے والوں کی تمام تر توجہ لمحہ بھر کو سہی مگر اپنی سمت مکمل طور پر ضرور حاصل کرتی تھی۔

ہارٹ اسپیشلسٹ خان ابراہیم اپنے بیٹے شاہ رخ خان کے ساتھ اس ہاسپٹل کے مالک و مختار تھے، شاہ رخ خان امریکہ سے ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے وطن آیا اور اسی ہاسپٹل میں باپ کے ساتھ خدمات انجام دینے لگا، پھر ورشے تھی جو اسلام آباد میں ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر رہی تھی، امتحانات سے فراغت کے بعد وہ بھی ہسپتال آنے لگی ہسپتال میں اس کی یہ آمد بہت دھماکہ خیز ثابت ہوئی تھی، بھلے نوجوان ڈاکٹرز میں وہ اپنے بے پناہ پرکشش سراپے اور پرنخوت مغرور تاثرات سمیت بہت اٹریکشن کا باعث تھی، اگر نہیں تو ڈاکٹر بلال کے لئے کہ وہ اپنے ساتھی ڈاکٹرز کی طرح اپنے بارے میں کسی قسم کی بھی خوش فہمی میں مبتلا نہیں تھا، وہ بہت خوددار تھا اور اپنی عزت اسے بے حد عزیز تھی اور یہ بھی سچ تھا کہ وہ ورشے کو اپنے سینئر کی بیٹی کی حیثیت سے بہت عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا، وہ نگاہ جو اس کے ساتھی ڈاکٹرز کے پاس کم از کم نہیں تھی۔

''پہلوئے حور میں لنگور کبھی دیکھا تم نے یار۔''

''ہاں دیکھ رہا ہوں۔''

اس روز بھی ورشے روانڈ پہ تھی اور ڈاکٹر بلال اس کے ساتھ تھا، جب اس نے کچھ فاصلے پہ موجود ڈاکٹر طاہر اور ڈاکٹر احسن کی وہ بات نا چاہتے ہوئے بھی سن لی تھی، جو دونوں نے انہیں ساتھ دیکھ کر تمسخر اڑانے کے انداز میں کہی تھی اور ایک دوسرے کے ہاتھ پہ ہاتھ مار کے ہنسے تھے اور اسے لگا تھا، جیسے کسی نے اسے اچانک برزخ میں دھکیل دیا ہو، اس میں شک نہیں تھا کہ اس کا رنگ گہرا سانولا تھا بچپن میں تو وہ بالکل توے کی طرح سے سیاہ ہوا کرتا تھا مگر جوان ہونے پہ یہ رنگت نکھر کر سانولاہٹ میں بدل گئی تھی، مگر اس کی بڑی بڑی پرکشش آنکھیں تیکھے نقوش اونچا پورا قد کاٹھ اسے ایک مکمل اور بھرپور مرد کا روپ دیتے تھے اور اس رنگ کی وجہ سے وہ کبھی بھی احساس کمتری کا شکار نہیں ہوا تھا، کہ مرد برف کی طرح سفید بھلا کہاں اچھا لگتا ہے یہ اس کی اماں اکثر کہا کرتی تھیں اور اماں کی تو ہر بات پہ وہ ایمان کی حد تک یقین رکھا کرتا تھا، مگر پہلی بار اسے لگا تھا جیسے اس کی یہ رنگت اس کی بہت بری خامی ہے اتنی کہ کوئی بھی جب جی چاہے منہ اٹھا کر اسے کچھ بھی کہہ دے گو کہ احسن اور طاہر نے مبالغہ آرائی اور دروغ گوئی سے کام لیا تھا مگر وہ اس بات کو سمجھے بغیر بس گہری یاسیت اور رنج میں مبتلا ہو چکا تھا۔

وہ ایک سکتے کی کیفیت میں آغا ابراہیم خان کے سامنے بیٹھا تھا، جو اس کے جواب کے منتظر اس کے چہرے پہ نظریں جمائے ہوئے تھے۔

''تمہارے پاس صرف ایک رات ہے خوب اچھی طرح سے سوچ لو یہ بات تو طے ہے کہ تمہیں بہرحال میری بات ماننا ہے، اسے اپنے لئے تفاخر کا احساس سمجھو کہ میں نے اس کام کے لئے تمہیں منتخب کیا ہے۔'' ان کے لہجے میں جو تکبر اور نخوت تھا بلال کو ناگوار محسوس ہوا مگر وہ اس وقت کچھ کہنے یا شاید محسوس کرنے کی بھی صلاحیت کھو چکا تھا۔

"اب تم جاؤ۔" انہوں نے صرف آرڈر جاری کیا تھا اور پھر داہنا ہاتھ اٹھا کر بے نیازی سے کہا، وہ ایک نظر انہیں دیکھتا حیران پریشان سا اٹھا کر وہاں سے چلا آیا تھا، اس روز موسم صبح سے ابر آلود تھا، مسلسل ٹہلنے کے باعث اس کی ٹانگیں شل ہو چکی تھیں، تب اس نے جوتے اتار کر یہاں وہاں اچھالے تھے اور بستر پہ بے دم سے انداز میں گر گیا، باہر طوفانی بارش جاری تھی، ہواؤں کے جکڑوں سے کھڑکیاں دروازے بج رہے تھے، دور کہیں سے گیدڑوں کے رونے کی آوازیں ماحول کی ہیبت ناکی اور وحشت کو مزید بڑھا رہی تھیں بجلی کی چمک کمرے کے نیم تاریک ماحول کو لمحہ بھر کو اجال کر پھر سے تاریکی میں ڈبو جاتی۔

"پورے اسٹاف میں سے میری نگاہ انتخاب تم پہ ٹھہری ہے تو اس کی بہت ساری وجوہات ہیں، جو میں تمہیں بتلانا ضروری نہیں سمجھتا تمہیں یہاں کام کرتے ہوئے گو کہ زیادہ عرصہ نہیں ہوا مگر کسی کو پہچاننے کے لئے ایک پل بھی کافی ہوتا ہے میں سمجھتا ہوں میں نے جس ذمہ داری کا بوجھ تمہارے کاندھوں پہ ڈالا ہے اسے تم ہی بہ احسن طریقے سے نبھا سکتے ہو۔" وہ اس آواز کی بازگشت سے گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔

"تو مجھ میں اتنی ہمت اتنا اسٹیمنا نہیں ہے۔"

اس نے زور زور سے نفی میں سر کو ہلایا تھا۔

"کچھ بھی نہیں ہو گا، میں ہر جگہ نہ صرف تمہاری پشت پناہی کروں گا بلکہ ضرورت سے زیادہ امداد بھی۔"

"یہ سب محض ایک ڈرامہ ہے۔" وہی آواز پھر اس کے آس پاس گونجی اور اس کے اضطراب کو بڑھا گئی۔

"مجھے ہر قیمت پر اپنی بیٹی کو بچانا ہے، چاہے اس کے لئے مجھے کیسا ہی قدم کیوں نہ اٹھانا پڑے۔" یہ آوازیں اس کا پیچھا چھوڑنے کو تیار نہ تھیں، وہ مضطرب سا ہو کر ایک بار پھر ٹہلنے لگا۔

"وہ لوگ بہت جاہل اور اکھڑ دماغ ہیں، لیکن ڈونٹ وری میں انہیں ہینڈل کر لوں گا۔"

اس نے ایک بار پھر سر کو غیر محسوس انداز میں نفی میں جنبش دی اور بیگ اٹھا کر اس میں اپنا ضروری سامان بھرنے لگا، یہ بات تو اصولاً طے تھی کہ شکار کے دوران شاہ رخ خان سے نشانہ خطا ہو کر گولی اپنے چچازاد بھائی کو لگ گئی تھی تو خون بہا میں شاہ رخ خان کو پیش ہونا ہی تھا، جو خود شاہ رخ خان کے ساتھ ساتھ آغا خان ابراہیم کو بھی کسی طور گوارا نہیں تھا، جبھی اگلے روز ہی شاہ رخ خان کو چپ چاپ امریکہ بھجوا دیا گیا، پنچائیت کے جرگے کے فیصلے پہ ہی شاہ رخ کی جگہ اب ورشے کو خان ابراہیم کی بیٹی اور شاہ رخ کی بہن ہونے کے ناطے خون بہا میں پیش ہونا تھا، یہ پہاڑوں والوں کے ریت رواج تھے، جن پہ وہ حکومت پاکستان کو بھی انوالو ہونے کی اجازت نہیں دیتے تھے، پھر آغا خان ابراہیم کا کیا بس چلتا، مگر ان کا شاطر دماغ ایک قدم آگے بڑھ کر ایک چال چلنا خوب جانتا تھا، جبھی یہ فیصلہ ٹالا گیا تھا، بلال تو سنتے ہی بدک گیا تھا، مگر اپنی تہذیب اور روایت سے اچھی طرح آگاہ تھا، دوٹوک انکار نہ کر سکا، مگر اگلی صبح اس کے لئے اسیری کا پیغام لے کر طلوع ہوئی تھی، مقابل گھاگ شکاری تھا، جو اپنے شکار کے تاثرات آنکھوں کے رنگوں سے ہی پہچان چکا تھا کہ وہ اس حکم کو بجا لانے میں متامل ہے جبھی آغا خان ابراہیم عین اس پل اس کے سامنے موجود تھے جب وہ اپنے بیگ سمیت وہاں سے فرار ہو رہا تھا، دروازہ کھلنے پہ انہیں سامنے پا کر وہ اتنا بوکھلا گیا تھا کہ ہاتھ سے بیگ اور بستر بند چھوٹ کر دائیں بائیں اس کے قدموں میں آن گرے تھے، ان کے لبوں پہ ایک مضحکہ اڑاتی ہوئی

digestlibrary.com

مسکراہٹ کھیلنے لگی تھی۔

''اب تمہارا جواب ہاں میں ہی ہو گا کہ تمہیں بلاشبہ انکار کی جرأت ہے نہ ہمت وہ اس کی بے بسی گھبرائی ہوئی نظروں میں جھانک کر طنز سے بولے تھے اور ڈاکٹر بلال محض تلملا کر رہ گیا تھا۔

ایک باقاعدہ معاہدہ طے پایا تھا، اسے نکاح کے بعد ورثے کو اپنے ساتھ لے کر جانا تھا، دو ماہ انہیں اس وقت واپس لوٹنا تھا جب یہ معاملہ خود آغا خان ابراہیم کے خیال کے مطابق ٹھنڈا پڑ جاتا، تب اس کے طلاق کے پیپرز پہ سائن کرتے ہی خان ابراہیم اسے اپنے وعدے کے مطابق مالا مال کر دیتے مگر وہ مالا مال نہیں ہونا چاہتا تھا، وہ تو مارے بندھے یہ سب کر رہا تھا، اس کی حالت صحیح معنوں میں اس پرندے کی مانند تھی، جسے بے خبری میں اچانک جال ڈال کر قید کر لیا گیا تھا۔

''مجھے تم پہ اعتماد ہے تم بے حد شریف النفس اور سلجھے ہوئے انسان ہو، یہی اعتماد مجھے اپنی بیٹی کو تمہارے حوالے کرنے پہ اکسا چکا ہے، مجھے یہ بھی بھروسہ ہے کہ تم میری بیٹی کی طرف نگاہ غلط بھی نہیں ڈالو گے، آف کورس تمہیں اتنی جرأت ہو بھی نہیں سکتی۔'' ان کے لہجے میں سرد دھمکی تو آنکھوں سے جیسے اس پل آگ کی لپٹیں نکل رہی تھیں، بلال نے سر اونچا کر کے انہیں دیکھا تھا اور اس پل ہتک اور توہین کا جو سلگتا احساس اس کی رگ و پے میں اترا تھا، وہ اس کے فشار خون کو بڑھانے کا باعث بنا تھا، لب بھینچ کر اس نے عود کر آتے اشتعال پہ قابو پایا تھا۔

''تمہیں بہت محتاط رہنا ہو گا، وہ لوگ باولے کتوں کی طرح ہی تمہاری بو سونگھتے تمہیں تلاش کرتے پھریں گے۔'' وہ لہجہ بدل کر بہت رسان سے گویا تھے، مگر بلال کے خون میں اٹھتا ابال ختم نہیں ہوا۔

''میری بیٹی تمہارے پاس امانت کی طرح سے رہے گی یہ بات یاد رکھنا ڈاکٹر بلال کہ تم ان لوگوں کی پہنچ سے دور جا سکتے ہو، مگر ڈاکٹر ابراہیم خان کی پہنچ سے نہیں بچ پاؤ گے کسی بھی کوتاہی یا گستاخی کی صورت میں، میں تمہیں قبر سے بھی کھینچ لاؤں گا۔'' ملازمہ کی معیت میں اسی سمت آئی ورثے کو دیکھتے وہ سرد لہجے میں غراہٹ سمو کر بولے ان کا انداز بے حد درشت اور تیکھا ہو رہا تھا۔

''چلو بیٹے۔'' انہوں نے پراوڈ کا دروازہ کھولتے ہوئے ورثے کو مخاطب کیا جو سر تا پا سفید چادر میں لپٹی ہوئی تھی، ڈاکٹر بلال نے منہ سے ایک لفظ بھی نکالے بغیر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور اگلے چند لمحوں میں گاڑی سیاہ آہنی گیٹ کو عبور کرتی اونچے نیچے پہاڑی راستے پہ فراٹے بھرنے لگی تھی۔

شام رات کے گلے مل رہی تھی جب ان لوگوں نے اپنا سفر شروع کیا تھا اور اب رات کے گیارہ بج رہے تھے ہر سو گہری تاریکی اور ہولناک سناٹے کا راج تھا پہاڑوں کا خوفناک سلسلہ شاید کبھی نہ ختم ہونے کے لئے شروع ہو چکا تھا، ورثے بہت محتاط اور چوکس سے انداز میں پچھلی سیٹ پہ براجمان تھی، اس وقت ایک ہلکی سی اونگھ بھی اسے اپنے لئے خطرناک محسوس ہو رہی تھی، ایک ایسا شخص جسے کل تک وہ جانتی تک نہیں تھی، آج ایک مضبوط حوالے کے ساتھ اس کے ہمراہ تھا، رشتہ چاہے مجبوری و نفرت کے تحت استوار ہوا تھا مگر اس کی حیثیت اپنی جگہ مضبوط تھی، وہ اس حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتی تھی کہ یہ انجان شخص بہر حال اس کے شوہر کی حیثیت لے چکا تھا، اس کا دل بھرا سا گیا، اس نے کبھی تصور بھی

نہیں کیا تھا کہ گاؤں کی عورتوں کے حالات اور حالت زار پہ کڑھنے والی ایک پڑھی لکھی باشعور لاڈلی اور من مانی کرنے والی ورشے خان بھی کبھی انہی عورتوں کی طرح مجبور اور لاچار کر دی جائے گی۔

''کتنا جھوٹ کہتے تھے پاپا، کتنا غلط، کہ میں آپ کو شاہ بھائی سے بڑھ کر عزیز تھی، وقت پڑنے پہ یہ بھی ثابت ہو گیا، آپ نے انہیں بچانے کی خاطر مجھے اپنی بیٹی کو دو کوڑی کا کر دیا مجھے خود میری نظروں میں گرایا، کیا حیثیت رہ جائے گی میری نگاہ ملا پاؤں گی بس ان لوگوں سے پاپا کبھی جن میں آپ نے مجھے یہ کہہ کر بدنام کر ڈالا، کہ میں اپنی مرضی سے اس شخص کے ساتھ بھاگی ہوں۔'' اس کی آنکھوں سے گرم سیال بہنے لگا۔

''اس سے تو بہتر تھا پاپا آپ مجھے ان پڑھ جاہل گنوار اپنے بھتیجے سے بیاہ دیتے میں اس بدنامی سے تو بچ جاتی، بہت احسان کیا آپ نے مجھے بچا کر کبھی نہ رونے کا خود کو پتھر بنانے کا عہد خاک میں مل چکا تھا۔'' وہ گھٹ گھٹ کر رو رہی تھی، گاڑی ایک جھٹکے سے رکی، تب وہ قدرے چونکی۔

''دو کپ چائے ساتھ جو بھی ہے کھانے کو لے آؤ۔'' گاڑی ایک چھپر ہوٹل کے سامنے کھڑی تھی، ہارن کے جواب میں چھوٹو ملازم بھاگ کر آیا تب بلال نے اس میلے کچیلے لباس میں ملبوس لڑکے کو تھکن زدہ لہجے میں کہا تھا، ملازم آرڈر لیتے ہی واپس ہو لیا، دو کپ کا سن کر اس نے ناگواری سمیت ڈرائیونگ سیٹ سے باہر تک پھیلے اس کے چوڑے شانوں کو گھورا اور اپنی جگہ جز بز ہو گئی۔

''چائے لیجئے بی بی اور کچھ کھا لیجئے، ہمیں رات بھر سفر میں رہنا ہے۔'' ٹرے ہاتھ میں پھیلا کر اس کے برابر سیٹ پر رکھتے ہوئے وہ اسے دیکھے بغیر بولا تھا، ورشے نے غصیلی نظروں سے اسے دیکھا اور دانتوں پہ دانت جمائے جواب میں ایک لفظ کہے بغیر ٹرے اٹھا کر کھڑکی کے رستے باہر پھینک دی، ایک پل کو تو بلال ششدر رہ گیا تھا، دونوں کی نگاہیں محض ایک پل کو چار ہوئی تھیں، ایک جانب قہر و غیض تھا تو دوسری جانب تحیر و استعجاب۔

''بھلا کیا گستاخی ہوئی تھی ملکہ عالیہ کی شان میں جو وہ یوں آپے سے باہر ہوئی تھی۔'' وہ سوچتے ہوئے چائے کے گھونٹ بھرتا رہا، ہوٹل کے مالک کے پاس جا کے معذرت کے ساتھ پے منٹ کرنے کے بعد وہ سگریٹ سلگائے واپس آیا تو ورشے گھٹنوں پہ سر رکھے جھکی ہوئی تھی، وہ توجہ دیئے نا گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

digest library.com

''جی سر اس وقت ہم ابھی شہر کے مضافات میں ہیں۔'' ورشے کی آنکھ کھلی تو اسے سیل فون پہ محو گفتگو پایا رات بیت چکی تھی، ہر سو دن کا اجالا اور شہر کا حسین خوش نما نظارہ بکھرا تھا۔

''جی سر مگر وہ تو۔'' معاً اس نے گردن موڑی ورشے جو بے دھیانی و بے خیالی میں ہی اس کی متوجہ تھی نگاہوں کے تصادم پہ گڑبڑا کر آنکھیں چرانے لگی۔

''جی سر بات کیجئے۔'' اس نے کہتے ہوئے سیل فون ورشے کی سمت بڑھا دیا، جو اس نے نا چاہتے ہوئے بھی ہاتھ بڑھا کے لے لیا۔

''ورشہ کیسی ہو بیٹا۔'' اس کی ہیلو کے جواب میں انہوں نے جس بے قراری شفقت اور محبت کے ساتھ سوال کیا تھا وہ ورشے کے اندر عجیب سا تمسخر بن کر دوڑی۔

''کیسی ہو سکتی ہوں ان حالات میں جن سے آپ مجھے دو چار کر چکے ہیں۔'' اس درجہ

انداز کی درشتگی و تلخی پہ دوسری جانب کچھ لمحوں کو بالکل خاموشی چھا گئی۔

''میں نے تمہیں سمجھایا تھا کہ ڈاکٹر بلال ایسا آدمی نہیں ہے، لیو دس پاپا اور کوئی بات کریں پلیز۔'' عجیب انداز تھا تنفر و حقارت سے بھرپور، جبھی ایک بار پھر ادھر خاموشی کا وقفہ در آیا۔

''او کے ابھی چونکہ تم غصے میں ہو میرے فیصلے کی مصلحت کو کیا سمجھو گی، اینی وے میں نے تمہیں یہ بتانے کو کال کی ہے کہ ان لوگوں کو پتہ چل گیا ہے رات کے آخری پہر سے ہی وہ لوگ تمہاری تلاش میں روانہ ہو چکے ہیں، اپنا ان سے بچاؤ کرنے کے ساتھ خیال بھی ضرور رکھنا۔'' ورشے نے جواب میں کوئی حرف تسلی کی ضرورت محسوس نہیں کی اور سیل فون کان سے ہٹا کر سیٹ پہ پٹخ دیا اور ڈاکٹر بلال جو غیر شعوری طور پہ اس کی سمت متوجہ تھا بے اختیار نگاہ کا زاویہ بدل گیا، کل رات کی اس کی اس حرکت پہ وہ اب تک تلملا تا رہا تھا، مگر اب یکا یک ہی وہ اسے از حد مظلوم بے بسی اور لاچار محسوس ہوئی، ان حالات نے اسے اسقدر ذہنی تناؤ اور اذیت میں مبتلا کیا تھا وہ تو پھر ایک کمزور اعصاب کی مالک ایک نازک لڑکی تھی جس کی صرف انا ہی مجروح نہیں کی گئی تھی، عزت نفس کو کچلا گیا تھا پندار کو ٹھیس لگائی گئی تھی، اس کا یہ ردعمل فطری تھا اسے اپنا وہ غصہ دھیرے دھیرے ڈھلتا ہوا محسوس ہوا۔

یہ اسی دن رات کے دس بجے کی بات ہے جب ڈاکٹر بلال نے گاڑی کالات کے ریسٹ ہاؤس کے پارکنگ لان میں پارک کی تھی، رہائش کے لئے کمروں کی بکنگ کرانے کے بعد وہ ریسپشن سے چابیاں لیتا ورشے کی سمت پلٹا تو اسے کس قدر حراساں پا کر کچھ حیران سا ہوا تھا۔

''یہ کیا حرکت ہے۔'' اس کے متوجہ ہوتے ہی وہ غرانے کے انداز میں بولی، وہ الجھ ہی تو گیا تھا اس انداز پہ۔

''ہم یہاں سیر سپاٹوں کے لئے نہیں آئے ہو کہ قیام کرتے موج اڑاتے ہوئے ٹریول کرو، واپسی کرو رومز کی کیز اور کھانا کھانے کے بعد گاڑی میں بیٹھو جا کے یہاں جان پہ بنی ہوئی ہے اور محترم کو ہری ہری سوجھ رہی ہیں۔'' ریسپشن پہ موجود طرحدار حسینہ کی پرواہ کیئے بغیر اس نے بلا لحاظ اس لتاڑ کر رکھ دیا تھا، انداز میں اتنی نفرت اور تلخی پنہاں تھی کہ بلال اس درجہ توہین و تذلیل پر بھونچکا کھڑا ٹکر ٹکر اس کو دیکھتا رہ گیا، بے تحاشا سرخ پڑی رنگت اور سختی سے بھینچے لب اس کے انتہائی ضبط کے گواہ تھے، بنا ایک بھی لفظ کہے بغیر اس نے چابیاں واپس کی تھیں اور لمبے ڈگ بھرتا ہوا گلاس ڈور دھکیل کر گاڑی تک آیا اور جب تک ورشے وہاں پہنچی وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لینے کے بعد گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا، ورشے کو تو ایک پل کو ایسا ہی لگا تھا اگر وہ ایک پل کی بھی تاخیر کرتی تو یقیناً وہ اسے وہیں چھوڑ کر گاڑی لے اڑتا، خطرناک حد تک بڑھتی ہوئی اسپیڈ کو دیکھتی وہ سخت طیش کے عالم میں اپنی جگہ پہلو بدلتی رہی تھی جب گاڑی کے خاموش ماحول میں بلال کے سیل فون پہ ہونے والی بیپ نے دونوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کی تھی، اسکرین پہ آغا ابراہیم خان کا نمبر چمک رہا تھا، بلال نے اسٹیئرنگ سنبھالتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے موبائل اٹھا کر کال ریسو کی، ورنہ جس قدر شعلوں میں دل و دماغ گھرے جا رہے تھے، جی تو یہ چاہ رہا تھا ہر شے پہ لعنت بھیج کر اپنے گھر کی راہ لے، بھلا یہ باپ بیٹی مل کر کیا بگاڑ لیتے اس کا۔

''ہاں ڈاکٹر بلال سب خیریت ہے نا مانو فکر سے میری تو نیند ہی اڑ چکی ہے۔'' بے صبری سے

لبریز ان کا فکر مند سا لہجہ اس کی سماعتوں میں اتر کر حلق تک کڑواہٹ بھر گیا۔

''ڈونٹ وری سر اگر کسی ذمہ داری کو قبول کیا ہے نا چاہتے ہوئے ہی سہی، تو جان پہ کھیل کر بھی اسے نبھاہوں گا۔''

''ٹیک اٹ ایزی، بیٹا خدا تمہارا بھلا کرے میرے بچے اس وقت کہا ہو۔'' تشکر سے کہتے ہوئے ازحد اطمینان سے سوال کیا، کالات شہر سے نکل رہے ہیں، ڈاکٹر بلال آپ کو کالات کے کسی اچھے ریسٹ ہاؤس میں رک کر فریش ہونے کے بعد سفر کا آغاز کرنا چاہتے تھے، اتنا تھکاؤ گے خود کو تو بیمار پڑ سکتے ہو اور ان حالات میں تمہاری بیماری ہم افورڈ نہیں کر سکتے۔'' ان کا لہجہ ایک بار پھر اونچا ہوا ہلکی سی ناگواری سمیت ایسے ایسا ہی محسوس ہوا اس نے بیک ویو مرر سے دکھائی دیتے ورشے کے اکتائے ہوئے چہرے پہ بے زار کن اسپاٹ نگاہ ڈالی اور خود کو کچھ سخت کہنے سے بامشکل باز رکھا۔

''اوکے اب ذرا ورشے سے بات کراؤ۔'' اس نئے آرڈر پہ بلال نے بھینچے ہوئے لبوں سمیت پلٹ کر دیکھے بنا سیل فون ورشے کے برابر سیٹ پہ اچھال دیا۔

''سر بات کریں گے آپ سے۔'' خشک سی آواز میں کہہ کر وہ مکمل طور پہ ڈرائیونگ کی سمت متوجہ ہوا تھا، ورشے اس کی اس حرکت پہ ورطہ حیرت میں مبتلا ہوتی اچھی خاصی چونک کر اسے دیکھنے پہ مجبور ہوئی، بیک ویو مر سے جھانکتے سانولے تلملائے چہرے پہ بڑی کشادہ روشن آنکھیں ونڈ اسکرین پہ جمی تھیں، اس نے قہر آلود نگاہ اس کے اس پرنخوت انداز پہ ڈالتے ہوئے طوعاً وکرھاً سیل فون اٹھایا تھا۔

''جی پاپا، طبیعت ٹھیک ہے تمہاری مسلسل سفر نے تھکان تو ضرور کر دی ہوگی پتہ نہیں اس گھامڑ کو سمجھ کیوں نہیں آتی میں اسے کہہ چکا تھا کہ کسی ریسٹ ہاؤس میں رک کر فریش ہو جانا مگر، پاپا آپ وہ بات کریں جو کہنا چاہ رہے ہیں۔'' وہ زہریلے انداز میں بھڑک کر بولی، تو دوسری سمت یکلخت سناٹا چھا گیا پھر یہ سناٹا بکھرا تھا اور ان کا غضب قہر نمایاں ہو گیا تھا۔

digest library.com

''تمہارا دماغ ابھی تک خراب ہے ورشے کم از کم یہ ہی احساس کر لو کہ میں تمہارے ساتھ کس لہجے میں بات کر رہا ہوں۔'' اس کی گستاخانہ بدلحاظی نے انہیں بپھرا کے رکھ دیا تھا، ورشے کا چہرا اس پھٹکار زدہ ملامت پہ بے تحاشا سرخ ہو کر دہکا۔

''ویل تو گویا آپ خیریت دریافت کرنے کے بہانے میرے زخموں پہ نمک پاشی کر رہے ہیں۔'' وہ مزید سلگی تھی۔

''دیکھو ورشے یہ جو کچھ بھی ہوا محض مجبوری اور وقت و حالات کے پیش نظر مصلحت میں اٹھایا گیا ایک قدم ہے، جبکہ تم واویلا تو یوں مچا رہی ہو جیسے میں نے تمہیں اس دو ٹکے کے آدمی کے ساتھ ہمیشہ کے لئے رخصت کر دیا ہو۔'' وہ بھڑکے تھے تو بغیر لگی لپیٹی رکھے اس کا چودہ طبق روشن کر کے رکھ گئے، ورشے کو پل کے پل اپنے کانوں سے دھواں نکلتا ہوا محسوس ہوا، مزید سننے کی ہمت نہیں تھی جبھی سلسلہ کاٹ ڈالا اور لب بے دردی سے کچلتے ہوئے بھیگے گال پونچھنے لگی۔

نصیر آباد کے گیسٹ ہاؤس میں اس نے آدھا دن اور پوری رات بسر کی تھی مگر تھکاوٹ ایسی تھی کہ ابھی تک اسے اپنا بدن ٹوٹتا اور اعصاب تناؤ کا شکار محسوس ہو رہے تھے، یہاں آنے کے بعد سے اس نے دانستہ یا نا دانستہ ورشے سے ملنے اور بات کرنے کی کوشش نہیں کی، وہ دوسرے کمرے میں تھی اور قدرے بے

زار بھی اس کا اندازہ اسے راہداری اور ٹیرس پہ اس کے ہونے والے سامنے سے بخوبی ہوتا رہا تھا، ابھی کچھ دیر قبل ڈاکٹر ابراہیم خان نے فون کرکے اسے مزید حکم دیتے ہوئے کہا تھا، کہ وہ اب اپنی گاڑی کو چھوڑ کر پبلک ٹرانسپورٹ کے ذریعے سفر کرتے ہوئے اپنے گاؤں پہنچ جائے باقی کا وقت انہیں وہیں گزارنا تھا جیسے ہی حالات بہتر ہوئے وہ اسے واپس بلوا لیتے، بلال کیا کہتا سیل فون جیب میں رکھتے ہوئے اپنا مختصر سامان سمیٹ لیا بالوں میں کھڑے کھڑے برش چلایا اور چینج کرنے کے بعد جیسے ہی دروازہ کھول کر باہر آیا، پہلا سامنا ہی ورشے کے برہمی چھلکاتے چہرے سے ہوگیا۔

''کب تک قیام کا ارادہ ہے دیکھیں مسٹر میں پہلے یہ آپ کو بتا چکی ہوں کہ آپ، آئی نو ڈیٹ کہ میں یہاں پکنک منانے نہیں آیا، مگر آپ کو یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ کمتر حیثیت کا سہی مگر بہرحال میں بھی انسان ہوں جسے تھکن بھی ہوتی ہے اور نیند بھی آتی ہے اینی ویز آپ کو میری وجہ سے جو ذہنی کوفت ہوئی اس پہ میں معذرت خواہ ہوں اپنا سامان سمیٹ لیں ہم اس وقت نکل رہے ہیں۔'' اس کی بات کاٹ کر وہ کسی قدر رسانیت سے کہتا آگے بڑھ گیا، جبکہ وہ کھول کر رہ گئی ذلیل کمینہ پتہ نہیں کیا ثابت کرنا چاہتا ہے اس کے پراعتماد انداز جس میں اس کی ذات سے غفلت اور بے نیازی چھلک رہی تھی، محسوس کرکے وہ تاؤ کھائی ہوئی بڑبڑا کر جھٹکے سے پلٹی تھی جس دم اپنے بیگ اور چادر سمیت نیچے آئی وہ اس کا منتظر تھا، اسے دیکھتے ہی سگریٹ ہونٹوں سے نکال کر قدم بڑھا دیئے، پارکنگ لاٹ کی سمت بڑھتے شولڈر بیگ سے سن گلاسز نکال کر آنکھوں پہ چڑھاتے ورشے کے اعصاب کو زبردست دھچکا لگا اور اس نے دہشت کے حصار میں گھرتے بے اختیار کچھ فاصلے پہ چلتے ڈاکٹر بلال کا بازو لپک کر دونوں ہاتھوں میں دبوچا تھا، وہ اپنے دھیان میں تھا اس اچانک اور غیر متوقع افتادہ پہ حق دق رہ گیا۔

''واٹ ہپنڈ۔'' اس کے چہرے پہ لرزتے خوف کے سایوں کو حیرانی واستعجاب کی نگاہ سے دیکھتا وہ اسے اپنے وجود کی آڑ لیتے دیکھ کر پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

''وہ...... وہ ادا بختاور اور سلیم، ساتھ میں چاچا جان بھی۔''

''کون ادا بختاور۔'' بلال کو شدت سے کسی خطرے کا احساس ہوا تو الرٹ ہوتا ہوا بولا اس کی استعجابی نگاہیں ورشے کی خوف سے منجمد ہوتی نظروں کے تعاقب میں اٹھیں تو گیسٹ ہاؤس کے پارکنگ لاٹ کی دیوار کے پار سڑک کنارے پبلک فون بوتھ پہ موجود ان لمبے تڑنگے تین آدمیوں پر پڑی جن کے ساتھ تیسرا بڑی مونچھوں اور خونخوار آنکھوں والا گارڈ چونکے انداز میں رائفل ہاتھ میں لئے آنکھیں گھما گھما کر ہر سمت دیکھ رہا تھا۔

''یہ وہی ہیں جن کی وجہ سے اس وقت یہ خواری سہی جا رہی ہے مائی گاڈ اب کیا ہوگا۔'' وہ ابھی تک یونہی اس کا بازو پکڑے لرزتی آواز میں بولی تھی اس گرفت میں اضطراب اور گھبراہٹ کی کپکپاہٹ تھی۔

''اوہ۔'' معاً وہ اس کی نگاہ کا اٹھنا محسوس کرتی سنبھل کر فاصلے پہ ہوئی۔

''میرا خیال ہے ہمیں واپس اندر چلے جانا چاہیے کم از کم اسی وقت تک جب تک یہ لوگ یہاں سے نہیں چلے جاتے۔'' اس سے یونہی نظر چرائے وہ بے حد متوش ہو کر کہہ رہی تھی۔

''نہیں اگر یہ لوگ یہاں تک پہنچے ہیں تو لازماً ہماری تلاش میں اس گبہ

آئیں گے آپ گاڑی میں بیٹھیں بلکہ ایسا کریں چادر سے اپنا چہرا چھپا لیں۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہتا گاڑی کی سمت بڑھ گیا، ورشے نے بنا کسی حیل و حجت کے اس کی بات پہ عمل کیا تھا، بلال اسے فرنٹ سیٹ پہ بیٹھتے دیکھ کر اچھا خاصا چونکا مگر کچھ کہنا مناسب خیال نہیں کیا، عین اسی پل جب وہ گاڑی اسٹارٹ کر رہا تھا، بختاور اس گارڈ کے ساتھ ریسٹ ہاؤس کے گیٹ سے اندر آتا دکھائی دیا، ورشے نے سرعت سے رخ موڑا مگر وہ خود کو اس کی عقابی نگاہ سے بچانے میں ناکام رہی اس کا دل بختاور کی نگاہوں میں امڈتی حیرت اور خوشی کی وحشیانہ چمک کو دیکھتے ہوئے پوری قوت سے پھیل کر سکڑا۔

''انہوں نے نہ صرف مجھے دیکھ لیا بلکہ پہچان بھی لیا ہے۔'' وہ سخت سراسیمہ سی ہو کر بولی۔

''پلیز گاڑی نکالو۔'' وہ بولی نہیں چیخی تھی اور وہ بھی حلق کے بل، بلال کے ہاتھوں میں جیسے بجلی بھر گئی، گیٹ سے زن سے گاڑی نکالتے اس نے بختاور کو چاچا کی سمت بھاگتے اور پھر ان کی سمت اشارہ کرتے دیکھا اور اگلے چند لمحوں میں بلیک پجارو ان کے تعاقب میں تھی۔

''وہ..... وہ لوگ ہمیں فالو کر رہے ہیں۔'' ورشے کے چہرے پہ ہوائیاں اڑنے لگیں، بلال اس کے کہے بغیر بھی جان چکا تھا، آدھا گھنٹہ تک مسلسل اور انتہائی برق رفتاری سے گاڑی چلانے کے باوجود بھی وہ انہیں ڈاج دینے میں ناکام رہا تھا، وہ لوگ اس کی سوچ اور اندازے سے کہیں زیادہ شاطر محسوس ہو رہے تھے، گاڑی شہر کے مضافات اور مین شاہراہ بہت پیچھے چھوڑ آئی تھی، اس سڑک کے اختتام پہ آگے راستہ تین مختلف سمتوں میں جا رہا تھا، بلال نے بنا سوچے سمجھے دائیں جانب اسٹیئرنگ گھما دیا، دھول مٹی اور گرد و غبار کے طوفان نے منٹوں میں ونڈ اسکرین کو دھندلا کے رکھ دیا، وہ چاہتا بھی تو اس کچی سڑک پہ موجود بڑے بڑے کھڈوں کی وجہ سے گاڑی نہیں چلا سکتا تھا۔

''پلیز بی بی صاحبہ نیچے اتریئے۔'' اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اترتے ہوئے اس نے چیخ کر اسے مخاطب کیا تھا، کچھ فاصلے پہ دائیں جانب کماد کی فصل لہلہا رہی تھی، کھیتوں کا یہ سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا، خاصی دور تک نظر لے جاتی جاتی تو آبادی کے آثار بھی دکھائی پڑتے تھے۔

''کیا تمہارا دماغ درست ہے یوں پیدل ہم کب تک اور کہاں تک ان سے بھاگ سکیں گے۔'' وہ فکرمندی بھول کر بھڑکتے ہوئے اس پہ الٹ پڑی، بلال نے نیچے اترنے کے بعد چکر کاٹا اور اس کی طرف کا دروازہ کھول دیا۔

''دیکھیں بی بی یہ بحث کا وقت نہیں ہے، وہ لوگ ہمارے تعاقب میں ہیں اور کسی بھی وقت یہاں آ سکتے ہیں اس سے پہلے ہمیں کہیں نہ کہیں چھپنا ہے۔'' اس کا تیز لہجہ چبھتا ہوا سا تھا۔

''بہرحال مجھے خود سے بڑھ کر آپ کی فکر ہے۔'' بات کے اختتام پہ اس نے کمال جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کا نرم گداز ہاتھ اپنے مضبوط فولادی ہاتھ میں جکڑا اور پل کی تاخیر کے بنا اسے گاڑی سے نیچے اتار لیا اس گستاخی کی حد تک بڑھی ہوئی جسارت نے ورشے کو گویا قوت گویائی سلب کر کے اس ہواؤں میں معلق کر ڈالا۔

''یہ..... یہ تم اپنے حواسوں میں تو ہو چھوڑو ہاتھ میرا۔'' ناگواری اور برہمی کا شاید احساس اسے بہت جلد اسی سکتے سے کھینچ نکالنے کا سبب بنا تھا، اس کے ساتھ گھسیٹتی کھینچتی وہ ہذیانی میں چلائی۔

''ٹیک اٹ ایزی مادام میری حیثیت آپ

کے نزدیک محض ایک گارڈ کی سی ہونی چاہیے ڈیئر سیک۔'' اسے یونہی اپنے ساتھ کھینچتا ہوا وہ اپنی گرفت میں مچلتی ورشہ پہ نگاہ ڈالے بغیر بہت سرد سے لہجے میں پھنکار کر بولا، ورشے غم و غصے اور طیش میں دانت پیس کر رہ گئی، اس کا ذہن دکھ اور غصے کی انتہائی حالت پہ جیسے ماؤف ہو کر رہ گیا تھا، اس سے پہلے کہ وہ بھڑک کر کچھ کہہ پاتی اچانک اس سے محض ایک قدم آگے چلتے بلال کا پاؤں بے توازن ہوا تھا، محض ایک پل کی بات تھی اور زمین آسمان اس کی نظروں میں گھوم کر رہ گئے تھے، وہ یقیناً کوئی پرانا کنواں تھا جو اب بیکار ہونے کے باعث ویران پڑا تھا راہگیروں کو اس میں گرنے سے بچانے کی غرض سے ہی اس پہ کانٹے دار جھاڑیاں ڈالی گئی تھیں جنہیں وہ اپنی جھونک میں دیکھ نہیں پایا تھا اور اب نتیجے کے طور پہ وہ اوپر تلے گرے تھے بلال کا سر کنویں کی سطح پہ موجود کسی پتھر یا پھر اینٹ سے ٹکرایا تھا، ایک پل کو تو اس کی آنکھوں میں اندھیرے اتر آئے تھے، خود کو سنبھال کر حواس بحال کرتے ہوئے وہ مزید چکرا گیا تھا اپنے سینے کو ورشے کے نرم و نازک بوجھ تلے دبا پا کر ایک پل کو تو اسے ورشے کے بے حس و حرکت وجود کو محسوس کر کے اس پہ تشویش طاری ہوئی تھی۔

''آئی ایم سوری۔'' یقیناً اس کی طرح وہ بھی خود کو فوری طور پر سنبھال نہیں پائی تھی، مگر صورتحال کی نزاکت کا احساس ہوتے ہی اسے جیسے کرنٹ لگا اور وہ بدک کر اس سے الگ ہوئی تو بلال نے شدید قسم کی کیساہٹ محسوس کرتے اپنا جسم سیکڑ کر فاصلہ بڑھاتے ہوئے خجالت سے بھرپور مگر مدھم آواز میں یہ معذرت کی تھی اور گویا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا۔

''تم...... تم گھٹیا سوچ کے معمولی انسان تم یہ حرکتیں جان بوجھ کر اس لئے کر رہے ہو کہ کسی بہانے میرے نزدیک آسکو۔'' غم و غصے خفت و نفرت سمیت مٹھیاں بھینچتی وہ طیش کے عالم میں دانت بھینچ بھینچ کر غرائی۔

''کوائیٹ پلیز وہ لوگ ادھر ہی آرہے ہیں۔'' بلال کو اپنی صفائی دینے سے زیادہ گارڈی کی آواز اور باتوں کی سمت توجہ ہوتے ہی حواس الرٹ ہو گئے، معاملے کی نزاکت کو دیکھا ملتجی ہو کر بولا تو ورشے تنفر زدہ انداز میں اس کا ہاتھ جھٹکتی مزید دور سرک گئی۔

''مجھے یہاں سے باہر نکالو خود چاہے قیامت تک یہیں مرے رہو آئی ڈونٹ کیئر۔'' وہ ہنوز گھاس کی منڈیر پہ چھت کی طرح تنے گھاس پھونس کو دیکھتے ہوئے چلا کر بولی تو ناگوار تاثرات سمیت اسے گھورتے ہوئے اس کے منہ پہ اپنا مضبوط آہنی ہاتھ مضبوطی سے جما دیا، پھر اس سے بھی زیادہ تلخی سے بولا تھا۔

''مجھے بھی زندگی بھر اس پوزیشن میں قید ہونے کا شوق نہیں چرایا مگر اس وقت یہ حماقت کر کے میں اس ساری جاں کاہی اور خواری پہ پانی بھی پھیرنا نہیں چاہتا، مزید تسلی کے لئے سن لیں آپ کی حیثیت میرے نزدیک ایک فرض کی ادائیگی اور ذمہ داری کے اور کچھ نہیں ہے آپ سے زیادہ شدتوں سے مجھے اس گھڑی کا انتظار ہے جب آپ کو آپ کے والد محترم کے حوالے کر کے طلاق کے پیپرز پہ سائن کروں گا۔'' اس کا فطری غصہ عود کر آیا تو لحاظ مروت ایک سائیڈ پہ رکھتا ہوا اسے کھری کھری سناتا چلا گیا، ورشے نے پانیوں سے چھلکتی نظروں سے دیکھا اور انتہائی ناگواری سمیت اس کا ہاتھ منہ سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگی۔

اس کے انداز کے مطابق وہ وہاں آئے تھے اور کماد کی فصل کا گویا ایک ایک چپہ بھی کنگالا تھا۔

digest.library.com

''کہاں چلے گئے آخر زمین کھا گئی یا آسمان نے نگلا، یہ بھی ماننے والی بات نہیں کہ وہ اتنی جلدی گاؤں پہنچ کر کسی گھر میں جا چھپے ہوں۔'' وہ ساکن بیٹھے ان کی آوازوں کو باخوبی سنتے رہے تھے، وہ جاتے ہوئے ان کی گاڑی ضرور ساتھ لے گئے۔

''اور کتنا چلنا ہے ابھی۔'' وہ اپنے دھیان میں آگے بڑھتا ورشے کی کمزور سی آواز پہ چونکا۔

ڈوبتے سورج سے سارے رنگ اس کے چہرے نے چرا لئے تھے، سونے کی تاروں کی طرح چمکتے حسین بالوں کی لٹیں سفید اجلے مگر تھکن زدہ چہرے پہ دائیں بائیں بکھری تھیں، چادر سر سے سرک چکی تھی اور دودھیا گردن میں سونے کی زنجیر میں جھولتا نگینے کا شعاعیں بکھیرتا موتی اس کی گردن کو چوم چوم کر سانپ کی طرح لوٹ رہا تھا، اس نے فی الفور نگاہ کا زاویہ بدل لیا۔

''شام ڈھل رہی ہے اب تو گاڑی بھی نہیں رہی، سفر کیسے جاری رکھا جا سکتا ہے، یہیں آبادی میں کسی گھر میں پناہ لینا ہوگی۔'' وہ نرمی و آہستگی سمیت گویا ہوا۔

''مگر مجھ سے ایک قدم بھی نہیں چلا جا رہا۔'' وہ برہمی سے کہتی وہیں پگڈنڈی پہ بیٹھ گئی اور جھک کر زخمی پاؤں کو جوتے کی قید سے آزاد کرنے لگی۔

''اگر آپ مجھے پاؤں دیکھنے دیں تو۔''

''کیا کرتے تم منتر پڑھ کر پھونکنے سے تو رہے۔'' وہ پہلے ہی بھری بیٹھی تھی آتش فشاں لاوے کی طرح پھٹی۔

''یہ چوٹ اسے کنویں میں گرتے وقت ہی لگی ہوگی وہ یہی اندازہ کر پایا تھا، تو پھر کیا یہاں بیٹھ کر آپ کے والد محترم کی امداد کا انتظار کریں۔'' وہ اچھا خاصا جھلا گیا تھا، ورشے نے اس کے غصیلے انداز کو دیکھا اور اٹھ کر کھڑی ہوگئی، عام حالات میں دس پندرہ منٹ میں طے ہونے والا راستہ اس نے لنگڑاتے ہوئے آدھے پون گھنٹے میں طے کیا تھا، حد شکر کہ انہیں پناہ مل گئی، ابھی وہ لوگ بستی میں داخل ہی ہوئے تھے کہ سر پہ اپلوں کی ٹوکری اٹھائے ایک قدرے فربہ خاتون چلتے چلتے رک کر آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کر انہیں دیکھتی ہوئے نزدیک آ گئی، یوں جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو، تب بلال نے مختصراً انہیں بتایا تھا کہ سفر میں رات ہو جانے کے باعث وہ رات گزارنا چاہ رہے ہیں۔

''جی آیاں نوں پتر میرا گھر حاضر ہے، آؤ آؤ اپنا گھر سمجھ کر آ جاؤ۔'' اور بلال اس کی ناگواری کو محسوس کیئے بنا ان کے ساتھ ہولیا تھا۔

''تم..... تم اس کمرے میں رات ٹھہرو گے میرے ساتھ۔'' خالہ جی بے حد مہمان نواز ثابت ہوئی تھیں نہ صرف انہیں تازہ کھانا پیش کیا تھا بلکہ رات گزارنے کے لئے بیٹھک میں ان کے بستر بھی لگوا دیئے تھے، اپنی بہو سے کہہ کر انہوں نے گھریلو ٹوٹکوں کا استعمال کرتے ہوئے نیم کے پتوں کے پانی میں ابال کر ورشہ کے زخم کو دھویا تھا اور مرہم لگا کر آرام کی تاکید کرتیں کمرے میں نکل گئی تھیں جب ورشہ جو تب سے جانے کیسے ضبط کیے ہوئے تھی دبے ہوئے لہجے میں چیخی۔

''میں ایک منٹ بھی تمہیں مزید برداشت کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں اٹھو اور جاؤ یہاں سے۔'' اس قدر توہین آمیز انداز تھا کہ وہ ہمیشہ کی طرح نہ تو ضبط کر سکا نہ خاموش رہا۔

''یہ گھر آپ کے والد محترم کا ہے نہ ہی میری ذاتی ملکیت کی جہاں ہماری مرضی اور حکم چل سکے، یہاں ہم پناہ لینے آئے ہیں اور مجبوری

کے اوقات میں وہ کچھ بھی برداشت کرنا پڑتا ہے جو عام حالات میں تصور میں لانا بھی محال ہو، اس کے علاوہ غالباً میں پہلے بھی یہ عرض کر چکا ہوں کہ آپ میرے نزدیک محض ایک امانت کی طرح ہیں جس میں خیانت کا میں تصور بھی نہیں رکھتا، فی زمانہ نفس پہ سواری محال امر سہی مگر یہ آپ کو بھروسہ یوں بھی کرنا پڑے گا کہ یہ بہرحال آپ کی مجبوری بھی تو ہے، سمجھیں تو آزمائش آپ کی نہیں ہماری ہو رہی ہے سو جائیے اس اطمینان کے ساتھ کہ اس بند کمرے میں آپ کو مجھ سے کوئی خطرہ نہیں۔'' ... سے ایک تکیہ اٹھاتے ہوئے وہ بولا نہیں تھا، اسے ... رکھ گیا تھا، پہلی بار اس نے اتنی طویل بات ... تھی اور اسے شرمندگی و خفت سے دوچار کر دیا تھا، کچھ ... کو وہ جانے کیوں اس سے نظریں چرائے رہی تھی، اگر ... جاتا تو اس تمام عرصے میں وہ اپنے زیر شکن تباہ کن دلکش سراپے سمیت اس کی حوصلوں کو آزماتی رہی تھی، وہ کہیں بھی تو اس کے حسن سے ہار کر نفس کے آگے بے بس ہوتا محسوس نہیں ہوا تھا، اسے اس خفت سے دروازے پہ ہونے والی دستک نے نکالا، بلال نے بڑھ کر دروازہ کھولا تو خالہ رضیہ ٹرے میں دودھ کے گلاس رکھے اندر آ گئیں۔

''اس تکلف کی کیا ضرورت تھی ماں جی۔''

بلال ان کے خلوص کے سامنے خفیف سا ہو گیا۔

''بچی کی طبیعت ٹھیک نہیں خاص طور پہ اس کے لئے لائی ہوں، ایسی حالت میں بیوی کو لے کر لمبے سفر پہ نکل آئے۔'' بلال پہلے ہونق ہوا تھا پھر ان کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے اس قدر سٹپٹایا کہ محض ایک بوکھلائی ہوئی اڑتی پڑتی نگاہ ہی ورشے کے نافہم تاثرات سے سجے چہرے پہ ہوئی خفت زدہ سے انداز میں پلٹ آئی، خالص دیسی گھی میں پکے سالن کو کھانے سے جو متلی کی کفیت ورشے کو محسوس ہوئی تھی اس سے خاتون اپنی سادگی سے جو نتیجہ اخذ کر چکی تھیں اس کے مطابق ہی بات کر رہی تھیں۔

''ابھی عمر بھی تو کچھ نہیں ہے نا اور پہلی بار بھی ہے جبھی کچھ زیادہ ہی گھبراہٹ کا شکار ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے ورشہ کے سر پہ ہاتھ پھیرتیں دودھ پینے کی تاکید کر گئیں و جو الجھن بھرے تحیر سے نکل کر خفت و خجالت غصے و حجاب کی ملی جلی کیفیت کے زیر اثر اڑے اڑے حواسوں سمیت نظریں چرانی بری طرح سے لب کچل رہی تھی صحیح معنوں میں اس وقت اس کا زمین میں دھنسنے کا جی چاہ رہا تھا۔

''تت...... تم شرم آئی چاہیے تھی تمہیں یوں چپ چاپ اس کی باتیں سنتے ہوئے۔'' خالہ کے جاتے ہی وہ آگ بگولہ ہوتی اس پہ چڑھ دوڑی، بلال جو خود بھی کم و بیش اس کی کیفیت کا شکار سر جھکائے دامن ... تھا اس ملامت زدہ پھٹکار پہ محض ایک بے بس سی نظر ... ڈال کر رہ گیا۔

''تمہیں ضرورت آخر کیا پڑی تھی ... یہ سب بتانے کی۔'' اس کا بس نہیں چل رہا تھا، آگے بڑھ کر بلال کا گھونٹ ڈالے۔

''میں نے کچھ نہیں کہا۔'' وہ اپنی صفائی میں بہت آہستگی سے بولا تو وہ بے اختیار زور سے دھاڑی۔

''شٹ اپ الہام ہو گیا ان کو کہ تم۔''

''ورشے بی بی آپ اس قدر غصے میں کیوں ہیں آخر عارضی سہی یہ رشتہ ہمارے درمیان ہے نا اور اسے مجبوراً سہی مگر آپ نے قبولا بھی ہے۔'' اس کے بھاری لہجے میں گمبھیرتا اور سنجیدگی تھی۔

''مم...... مگر وہ سب بکواس۔'' وہ نظریں چرا کر بولی۔

''وہ محض ایک غلط فہمی تھی اینڈ دیٹ سک، جو کسی کو بھی ہو سکتی ہے، ساری بات محسوس کرنے

digestlibrary.com

کی ہے، کیوں اثر لے رہی ہیں اس قدر۔'' اس کے خشک سے سرد چٹخے ہوئے انداز سے کسی قدر تلخی بھی چھلکنے لگی، ورشے کا چہرا یکلخت پھیکا پڑ گیا، توہین کا ایک عجیب سا سلگتا احساس رگ رگ میں بکھرنے لگا، مرد اور عورت میں یہی فرق ہے جس بات کو مرد کسی بھی عورت کے حوالے سے چٹکیوں میں اڑا کر ہنس کر انجوائے کر لیتا ہے، عورت اس ایک بات کو لے کر مرنے مارنے پہ بھی تل جاتی ہے سر جھکائے لب کچل کر آنسو اندر اتارتی وہ ایک بار پھر پاپا سے نفرت اور اپنی قسمت پہ شکایت محسوس کرتی آنسو بہانے لگی تھی۔

رات خیریت سے گزر گئی گو کہ وہ پوری رات اس نے اضطراب میں ہی گزاری تھی، اول تو خوف اور دھڑکے نے نیند ہی نہیں آنے دی اور اگر آنکھ لگی بھی تو ہر بار ہڑبڑا کر جاگنے پہ اس کی پہلی نگاہ اپنے پہلو کی سمت اٹھی تھی جو ہر بار جوں کا توں خالی ملا تھا البتہ اس کے برعکس وہ اس زمینی بستر پہ بھی بہت پرسکون اداگہری نیند سویا تھا اور اپنے اونچے اونچے خراٹوں سے اس کی نیند میں خلل ڈالتا رہا تھا، بستر سے اٹھ کر بال سمیٹتے ہوئے وہ یونہی بے دھیانی کی کیفیت میں اسے دیکھنے لگی اور چونکہ پہلی بار نگاہ بھر کے دیکھا تھا، جبھی ذرا سی چونک گئی، سرسری نگاہ میں جائزہ لینے پہ بالکل عام سا نظر آنے والا وہ شخص اتنا عام بھی نہیں تھا، چھ فٹ تین انچ قد بھرپور مضبوط اور ورزشی سراپا تیکھے پرکشش نقوش اور سانولی رنگت جو اس پہ بری ہرگز نہیں لگتی تھی، اس پہ جو خوبی اسے نمایاں کرتی تھی وہ اس کا نپا تلا انداز اور شرافت تھی، جبکہ اس کا باپ پڑھا لکھا بظاہر شریف اور سوسائٹی کو موہ کرنے والا، مہذب انسان اندر سے کتنا بودا اور کمزور نکلا تھا، یکا یک ہی اسے اپنے باپ کے اس فیصلے کی تمام تلخی اپنے اندر سے دھنکتی ہوئی محسوس ہوئی اس شخص میں واقعی کچھ ایسا تھا کہ اس پہ اس حد تک اعتماد کیا جا سکتا، اس نے سوچا اور دل کو عجب پرسوز سے احساسات سے گداز ہوتا محسوس کرتے اپنی بدلتی کیفیات سے گھبراتی اٹھ کر واش روم میں چلی گئی۔

اب یہ پتہ نہیں کہ اس کے محسوسات بدلے تھے، تب اسے بلال کی بے نیازی اور لاتعلقی بہت محسوس ہونے لگی تھی یا پھر وہ ایسا ہی لاتعلق بے نیاز اور لاپرواہ تھا، جو بھی تھا بہرحال وہ ہر ہر پل ہرٹ ہو رہی تھی۔

کل رات جب ڈاکٹر ابراہیم کا فون آیا تو ڈاکٹر بلال نے بغیر کچھ کہے سیل فون اس کی سمت بڑھا دیا تھا اور سیل فون لیتے ہوئے جب اس کی انگلیاں بلال کے پرحدت مضبوط ہاتھ سے چھو ہوتی تھیں تو جیسے کوئی بجلی رو اس کے پورے وجود میں سنسنی کا احساس بھر گی اس کے چہرے پہ پہلی بار ناگواریت کے تاثر کی بجائے ایک لو دیتا ہوا احساس بکھرا تھا جبکہ ڈاکٹر بلال کے سپاٹ تاثرات میں اسے ڈھونڈے سے بھی کوئی تبدیلی کوئی تغیر نہیں ملا تھا۔

''ورشے بیٹا تمہارے پاس جو جیولری ہے وہ ڈاکٹر بلال کو دے دو دراصل تمہیں بھیجتے ہوئے کچھ ایسی جلد بازی اور افراتفری میں رہا کہ میں بلال کو رقم بالکل دینا بھول گیا۔'' اس کی خیریت دریافت کرنے کے بعد انہوں نے جو پہلی بات کی تھی وہ یہی تھی اور ورشے کنگ رہ گئی تھی، نصیر آباد کے ہوٹل میں قیام کے دوران جب وہ اپنے لئے کچھ ضروری شاپنگ کر کے لوٹا تو ورشے ٹیرس پہ اس کی منتظر تھی۔

''کہاں تھے تم'' اسے دیکھتے ورشے نے

digest.library.com

کڑے تیوروں سمیت استفسار کیا تھا، گویا وہ اس کا ملازم ہی تو ہو۔

''جی یہ کچھ کپڑے لایا ہوں اپنے لئے، دراصل میرا کوئی باقاعدہ پلان تو تھا نہیں اچانک آنا پڑا جبھی کچھ خاص تیار کر ہی نہیں پایا۔''

''اوہ۔'' اس کی وضاحت پہ ورشے کے چہرے پہ ہتک آمیز غصیلے تاثرات اُمڈ آئے تھے۔

''تو گویا اس طرح بے دریغ لٹا رہے ہو تم میرے پاپا کی دولت کو۔'' اس کے چونکنے کو اور کچھ کہنے کی کوشش میں وا ہوتے لبوں پہ دھیان دیئے بغیر وہ بس انگارے چباتی رہی تھی۔

''سنو مانتی ہوں کہ تم نے ان پہ احسان کیا ہے مگر اس طرح سے وصولنا تو بہت کمینگی ہے نا۔''

اس کے لہجے سے جو حقارت برہمی اور بدتمیزی چھلکی تھی اس نے بلال کے چہرے کو آن واحد میں بے تحاشا سرخ کر ڈالا تھا، اس نے لب اتنی سختی سے بھینچے تھے کہ منہ میں خون کا ذائقہ گھلتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا، اسے متغیر چہرے سمیت ایک جھٹکے سے پلٹ کر اپنے کمرے کی سمت جاتے ورشے نے بہت نفرت انگیز نظروں سے دیکھا تھا اور اب حقیقت کھلنے پہ اس کا اپنی ہی کہی باتوں کو یاد کر کے جیسے دل عجیب سی خفت کا شکار ہونے لگا، کسی درجہ پستی میں اتر کر یہ بات کہہ ڈالی تھی اس نے، وہ دسترس سے باہر تو نہیں تھی اس کے اگر بپھر کر انتقام پہ اتر آتا تو، مگر وہ اس درجہ انسلٹ کو بھی برداشت کر گیا تھا اور اس کے ضبط کردار کی یہ پختگی ورشے کو اپنا اسیر کر چکی تھی، مگر وہ اتنا بے حس تھا کہ اس کے بدلے ہوئے رنگ ڈھنگ دیکھ کر بھی جیسے نہ چونکنے کی قسم کھائے بیٹھا تھا، معاً وہ اپنے خیالات سے چونکی تھی، سیٹ پہ اس کے برابر بیٹھے بلال کا سر نیند کی جھونک میں ڈھلک کر اس کے شانے سے آ لگا تھا، اس وقت وہ مگر ان سے تربت کی طرف جانے والی بس میں سوار تھے نیم تاریک ماحول اور اے سی کی ٹھنڈک تھکے ماندے اعصاب کو پرسکون کرتی تھپک کر نیند کی آغوش میں اتار رہی تھی، دیگر مسافروں کی طرح وہ بھی اونگھ رہا تھا، اس نے بوکھلا کر پہلے اسے پھر اطراف میں دیکھا کوئی بھی متوجہ نہیں تھا اس کا دل بہت بے ہنگم سے انداز میں دھڑک اٹھا تھا، ایک شرمیلی سی مسکان کی دھنک نے چہرے کو عجیب نکھار بخش دیا، وہ اس زاویے پہ ساکن اسے دیکھتی چلی گئی تھی کہ تبھی بس کو غضیف سا جھٹکا لگا بلال کا اونگھتا ہوا ذہن ہلکے سے جھٹکے سے جاگا، اگلے ہی لمحے وہ اپنی پوزیشن کا احساس کرتے ہی کرنٹ کھا کر سیدھا ہوا تھا۔

''آئی ایم سوری آئی ایم رئیلی سوری ورشہ بی بی ٹرسٹ می پلیز یہ...... یہ میں نے دانستہ نہیں کیا کر ہی نہیں سکتا نیند میں جانے کیسے۔'' نظریں چراتا گھبراتا بوکھلاتا سٹپٹاتے ہوئے وہ جس طرح وضاحت پہ وضاحت دیتے ہوئے اپنا یقین سونپ رہا تھا ورشے کو کچھ لمحوں قبل کی وہ لمس کی لو دیتی دہکتی ہوئی مدہوشی عجیب سی خفت میں ڈھلتی محسوس ہونے لگی، وہ بس گم صم سی ہو کر اس کے اس قدر معذرت بھرے تاثرات کو ملاحظہ کرنے لگی، جس کا بلال نے سرسراً اس کی ناراضگی کا مطلب اخذ کیا تھا۔

''دیکھیے بی بی صاحبہ میری نیت میں کوئی کھوٹ نہیں تھا میں بتا رہا ہوں نا کہ دراصل میری طبیعت اچھی نہیں تھی سر بہت درد کر رہا تھا تو پتہ ہی نہیں چل سکا کیسے آنکھ لگ گئی۔''

''اُنف۔'' ورشے نے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوکا۔

''آئی نو دیٹ کہ تم نے دانستہ ایسا نہیں کیا کر ہی نہیں سکتے (اس کے لئے جرأت کی ضرورت ہے جو تم میں نہیں)۔'' اس نے زہر خند

سے سوچا۔

''اگر آپ پاپا سے ڈرتے ہیں تو اطلاعاً عرض ہے۔'' وہ اس وقت اس کے انداز پہ وہ جو اندر سے بجھ سی گئی تھی، اس قدر رکھائی سے بولی کہ بلال کو جیسے سانپ سونگھ گیا، وہ کچھ بھی کہے بنا رخ پھیر چکا تھا، جبکہ ورشے کھڑکی سے باہر گھور اندھیروں میں نظریں ٹکائے اپنے اندر پھیلتے سناٹے کو محسوس کرتی رہی۔

اس کے گھر کا ماحول ویسا ہی روایتی قسم کا تھا، جو اس گاؤں یا اس ملک کے کسی بھی گاؤں کے عام سے گھر کا ہوسکتا ہے نیم پختہ گھر جس کی لپائی بہت صفائی سے کی گئی تھی کھلا سا آنگن جہاں نیم پیپل اور شہوت کے درخت لہلہایا کرتے تھے دیوار سے لگی تین چار پائیاں اور ایک وہ جو ہر وقت ہی پیپل کے درخت کے نیچے بچھی رہتی تھی اور جس پہ بیٹھی اماں گڈی کو کبھی سبزی بنا کر دیتی تو کبھی وہیں بیٹھے بیٹھے اور کتنے ہی کام غیر محسوس انداز میں نپٹا دیا کرتیں اب بھی وہ وہیں ڈھلتی ہوئی شام کے سایوں کو صحن میں تھرکتے دیکھ کر تسبیح کے منکوں کو انگلیوں سے گرا رہی تھیں جب بیرونی دروازے کی زنجیر کسی نے مدھر سروں میں بجائی اور پھر وہ اندر چلا آیا جسے دیکھنے کی آس میں ان کی آنکھیں ترسا کرتی تھیں۔

''اماں۔'' وہ مسکرایا تھا اور بانہیں پھیلائے ان کی سمت آ گیا اور جب وہ اس سے اچھی طرح مل چکیں تو اس کے پہلو میں کھڑی ورشے کو دیکھ کر پہلی بار بہت زور سے چونکیں۔

''بلو یہ کون ہے پتر؟''

''پوچھ کیوں رہی ہو اماں نظر بھی تو آ رہا ہے ویر شہر سے اپنی پسند کی ووہٹی خود لے کر آ گیا ہے۔'' گڈی نے ہنس کر کہا تھا، ورشے کے ساتھ بلال بھی خفیف سا ہو گیا، دونوں کی نگاہیں محض پل بھر کو ملی تھیں اور یہ تصادم بہت دل دھڑکا دینے والا تھا۔

''جھلی ہے اماں یہ تو ابھی بھی، یہ ورشہ بی بی ہیں مہمان آئی ہیں شہر سے کچھ دن رہیں گی یہاں سمجھ لیں گاؤں دیکھنے آئی ہیں۔'' وہ اماں کو بتا رہا تھا اور ورشے عجیب سے احساسات لئے بس ٹکر ٹکر اسے دیکھتی رہ گئی تھی، پھر زندگی کا یہ رخ اس کے سامنے عیاں ہو گیا تھا جس قدر عجیب تھا اس سے بڑھ کر انوکھا اور دلچسپ یقیناً یہ اس کے دل کے تقاضوں کے نئے رنگ تھے ورنہ وہ اس ماحول کی عادی تو کبھی بھی نہ رہی تھی اس کے باوجود بہت مگن رہنے لگی، محض چند دنوں میں ہی وہ نہ صرف گڈی اور اماں سے بے تکلف ہو گئی بلکہ وہاں کے ماحول میں اپڈجسٹ بھی ہو گئی اور اس ساری تبدیلی کی وجہ وہ شخص تھا جو یہاں آ کر تو اسے اگنور کر چکا تھا اور اس کی یہی نظر اندازی اسے عجیب سی بے چینی اضطراب اور واہموں میں مبتلا کرنے لگی تھی اور اس روز وہ عام دنوں سے کہیں زیادہ اداس اور ملول تھی، گڈی نے اس کی یہ خاموشی محسوس کی تھی، آنگن میں کام کرتے چلتے پھرتے کئی بار وہ اس کا یہ گم صم سا انداز دیکھ چکی تھی مگر جانے کیوں کچھ پوچھنے کی جرأت نہ کر سکی کہ بڑے بھائی سے یہ تو وہ سن ہی چکی تھی، کہ ورشہ بی بہت بڑے اور امیر باپ کی بیٹی ہے شاہزادیوں کا سا مزاج رکھنے والی یہ نازک اور حسین ترین لڑکی بھلے اس سے دوستانہ رویہ اپنا چکی تھی اس کے باوجود وہ اس سے جھجک محسوس کرتی رہی تھی، اس نے ایک بار پھر اس کے بے حد خاموش سے چہرے کو دیکھا تھا اور اندر آ کر ریڈیو پہ ایک چینل منتخب کر کے آواز بڑھا دی، اس کا بیاہ ہو رہا تھا اس کا دل تو بہت خوش تھا، نکاح تو اس کے ماموں کے بیٹے سے ہو ہی چکا تھا بس رخصتی کی رسم کی ادائیگی باقی تھی، ابھی کل یہ تو ماموں مومانی آ کر

اس کی شادی کی تاریخ پکی کر کے گئے تھے، ساتھ ہی بلال کے رشتے کی بات بھی چل نکلی تھی، وہ تو بہت خوش تھی بس یہ خوشی کھل کر مناتے ہوئے شرما رہی تھی اور یہ بھی تو ہو سکتا تھا اور شہ بی بی گانے کی آواز سن کر چونکیں مگر ایسا نہیں ہوا گانا ختم بھی ہو گیا اور وہ یونہی خاموش بیٹھی خلاؤں میں گھورتی رہی، گڈی دل مسوس کر رہ گئی۔

''بول پتر تجھے کوئی اعتراض نہیں تو کروں ناں بات تیرے چاچے سے پروین کا ہاتھ تیرے لئے مانگنے کی۔'' وہ ناشتے کے لئے ابھی آ کر بیٹھا ہی تھا، جب اماں پراٹھے کا پیڑا بناتے ہوئے بات شروع کی، بلال جو کیتلی سے چائے چھان کر پیالی میں نکال رہا تھا ایک پل کو ہاتھ بہکتا محسوس کر کے سر جھٹک کر رہ گیا۔

''اگر آپ کو وہ پسند ہے تو پھر میرے انکار کی گنجائش میرے لئے کہاں بچی ہے۔'' اس کی نگاہ اماں کے نہایت مشاقی سے پراٹھا بیلتے ہوئے ہاتھوں پہ جمی تھی۔

''میں اپنے فرض کی ادائیگی چاہتی ہوں پتر، پتہ تو ہے تجھے بیمار ٹھمار رہتی ہوں، بس یہی خواہش ہے آنکھیں بند ہونے سے پہلے تم دونوں کی خوشی دیکھ لوں۔'' پراٹھا توے پہ پلٹتے ہوئے انہوں نے ڈھیر سارا مکھن لگایا چھن چھن کی آواز اٹھی ننھے منھے چھینٹے اڑے اور ایک آگ کی لپک نے اٹھ کر چند لمحوں کو توے کے ساتھ پراٹھے کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا وہ بہت محویت کے عالم میں یہ مکھن کا تیزی سے پگھلنا دیکھتا رہا۔

''بلال پتر اک بات کہوں۔''

''ہوں۔'' وہ ہنوز بے خیالی کی کیفیت میں توے پہ سنہرے ہوتے پراٹھے کو دیکھتا رہا۔

''یہ کڑی جو شہر سے تیرے ساتھ آئی ہے سچ مچ صرف ہمارا گاؤں دیکھنے ہی اتنی دور سے آئی ہے۔'' ان کا انداز بہت کھوجتا ہوا سا محسوس کر کے بلال سنبھل کر بیٹھ گیا۔

''تو اور کیا بات ہے اماں شہری لوگ جب پڑھائی وغیرہ سے فارغ ہوتے ہیں ناں تو اس قسم کی سیر و تفریح سے اپنے تھکے ہوئے ذہنوں کو آسودہ کرتے ہیں۔'' اپنے لئے رات کا سالن کٹوری میں نکال کر گرم کرتے ہوئے اس نے لہجے کو ہر ممکن سرسری سا بنانے کی سعی کی تھی۔

''اچھا مگر مجھے تو کوئی اور ہی معاملہ لگتا ہے کوئی بھلا ماں باپ اپنی جوان اور اتنی سوہنی دھی کو بیگانے پتر کے ساتھ بھلا یوں ہی سیر کے لئے نہیں بھیج دیتے۔'' وہ سر جھٹک رہی تھیں، بلال کے چہرے پہ ایک تاریک سا سایہ لہرا کر معدوم ہو گیا۔

''افوہ اماں وہ براڈ مائنڈڈ لوگ ہیں ہماری طرح نہیں۔''

''اچھا۔'' اماں نے الجھے بغیر سر ہلا دیا گو کہ بات سمجھ نہیں آئی۔

''ویسے میں نے کچھ اور بھی محسوس کیا ہے۔'' پراٹھا اتار کر چنگیر میں رکھتے ہوئے اب وہ پیڑا بنا رہی تھیں۔

''مجھے لگتا ہے بلال جیسے یہ کڑی تمہیں پسند کرتی ہے۔'' بلال کو لسی پیتے ہوئے بہت زور کا اچھو لگا تھا کھانسی کے دوران اسے بہت زور کی ہنسی آئی۔

''حد ہو گئی اماں خوش فہمی کی بھی ایسے کون سے لال جڑے ہیں مجھ میں بھلا۔'' ان کی قیاس آرائی پہ وہ جی بھر کے تمسخرانہ انداز میں گویا ہوا تو اماں کی پیشانی پہ بل پڑ گئے۔

''کون سے لال نہیں جڑے ارے کمی کیا ہے جوان ہو صحت مند ہو پھر خوبصورت پڑھے لکھے اور اچھے کام سے لگے ہو پسندیدگی کے معیار کے لئے یہی سب چاہیے ہوتا ہے۔'' اماں کو

digest.library.com

ناگوار گزرا تھا جبھی بھرپور انداز میں برا منایا۔
''آپ کی سب باتیں بجا مگر ماں جی خوبصورتی والی بات ہضم ہونے میں نہیں آ رہی اور پسندیدگی کے معیار پر پورا اترنے کے لئے خوبصورتی کے ساتھ ساتھ دولت کا ہونا بھی ضروری ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے تو یہی دولت مند لوگ جب ان کا جی چاہے ہمیں دو کوڑی کا کر کے رکھ دیتے ہیں۔'' اس کا لہجہ نا چاہتے ہوئے بھی زہر خند ہوا جس طرح اس کی شرافت اور معمولی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے ٹرمپ کارڈ کے طور پہ استعمال کیا گیا تھا وہ ابھی تک دل کو سلگن بخش رہا تھا۔
''ٹھیک ہے مت کر یقین میری بات کا مگر یہ بھی سچ ہے کہ جب سے گھر میں تیرے رشتے والی بات چلی ہے نا وہ کڑی ہنسنا بولنا بھول کر چپ گڑپ ہوگئی ہے، میں نے تو اس لئے پوچھ لیا کہ اگر ایسی کوئی بات ہے تیرے دل میں بھی تو پروین کی بجائے اس کڑی کی ماں پیو.....''
''اماں۔'' وہ دبے ہوئے لہجے میں بے اختیار چیخا۔
''پلیز بس کر دیں۔'' اماں حیران پریشان سی ہو کر اسے دیکھنے لگیں جو ضبط کی کوشش میں سرخ ہوتا چہرا لئے تیزی سے وہاں سے چلا گیا تھا۔

''ایک کپ چائے بنا کر میرے کمرے میں آ جانا گڈی۔'' وہ شہر سے اس کے جہیز کا سامان لے کر صبح کا گیا اب لوٹا تھا، عشاء کی اذان ہوتے کچھ ہی وقت بیتا تھا، اماں یقیناً نماز پڑھ رہی تھیں اس نے کمرے کی سمت جاتے جاتے باورچی خانے میں ذرا سا جھانک کر اپنے تئیں گڈی کو یہ پیغام دیا تھا، مگر گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے سر جھکائے بیٹھی وہ گڈی نہیں تھی، اس آواز پہ ایک جھٹکے سے مڑی۔
''واٹ کیا کہا تم نے ہاؤ ڈیئر یو ہاں کیا سمجھا تم نے میں ملازمہ ہوں تمہاری کہ مجھے یوں آرڈر.....''
''ورشہ بی بی سوری ویری سوری مجھے نہیں پتہ تھا کہ آپ ہیں میں تو گڈی.....''
''بکو مت تم مجھے اس بودی وضاحت دے کر کول کر لو گے تم یہ کیوں سمجھتے ہو کہ سامنے والا اسٹوپڈ ہے۔'' بلال جو اس کے اتنے شدید درعمل پہ حیران ششدر سا تھا اس کے یوں جھاڑ دینے پہ کچھ مزید بوکھلا گیا۔
''آئی ایم سوری۔'' اس کے کشیدہ تاثرات اور شعلہ بار نظروں کو دیکھتا وہ زہر خند سے بولا تھا اور ایک جھٹکے سے پلٹ کر پاؤں پٹختا ہوا اپنے کمرے میں جا گھسا، ورشہ تنے ہوئے اعصاب لئے مٹھیاں بھینچے کھڑی دانتوں پہ دانت جمائے آنکھوں میں زبردستی جمع ہوتے آنسوؤں کو ضبط کرتے کرتے بھی پھپھک کے رو پڑی۔
''کیا ہو گیا ہے مجھے، کیوں پاگل ہو رہی ہوں۔'' نمکین پانی آنکھوں سے چھلک رہا تھا اور وہ آنسو پونچھتے وحشت زدہ سی خود سے سوال کر رہی تھی۔
''اتنی کمزور کیوں تھی میں کہ یوں دل کے سامنے بے بس ہو گئی ہوں۔'' اس کی بے اعتنائی عدم توجہی اور بے نیازی کیوں مجھے جنونی بناتی جا رہی ہے اور وہ وہ کتنے مزے سے شادی کی حامی بھر چکا کیا یہ احساسات جذبات نہیں رکھتا، اس کے پاس دل نہیں ہے اسے غصہ کیوں نہیں آتا، یہ میرے سخت رویئے پہ جواب میں مجھ سے تلخی کیوں نہیں برتتا۔'' وہ جانے کتنی دیر یونہی گھٹ گھٹ کر روتی رہی پھر جانے کیا دل میں سمائی کہ جیسے تیسے چائے بنا کر کپ اٹھائے اس کے کمرے کے دروازے پہ آن رکی اور بہت آہستگی

سے دروازہ ناک کیا، اجازت ملنے کا انتظار نہیں کیا اور دروازہ دھکیلتے ہوئے اندر داخل ہو گئی، بلال دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے چارپائی پہ نیم دراز تھا، اسے آتے دیکھ کر ایک جھٹکے سے اٹھا اور چہرے کے تاثرات میں ایک دم تناؤ سا ابھر آیا۔

''تو آپ کے خیال میں ابھی کوئی کسر باقی تھی جو پورا کرنے آئی ہیں۔'' اس نے طنز کا تیر چلایا تھا، اسے روبرو پا کے جو اس کی آنکھوں میں ناگواری اور تلخی اُمڈی تھی وہ ورشہ کے اندر بہت تیزی سے تھکن بھر گئی اور لہجہ کیسا کٹھور تھا برہمی تنفر اور رکھائی لئے اسے ٹوٹ کر رونا آنے لگا۔

''مم..... میں آپ سے اکسکیوز کرنے ہی آئی تھی، سوری ایکچوئلی میں بہت ڈسٹرب تھی۔'' کپ اس کی سمت بڑھائے وہ آہستگی سے کہہ کر نم آنکھوں سے لب کچلنے لگی، بلال زہر خند سے ہنس دیا۔

''امیزنگ ایکسیوز اور آپ کیوں گہنگار کرتی ہیں ورشے بی بی ہمیں۔'' اس کا کٹھور لہجہ بلا کا سرد اور طنزیہ تھا، چائے کا کپ اس سے لے کر وہ سائیڈ پر پڑی چھوٹی تپائی پہ رکھ چکا تھا، ورشے کا دل اس کے تنے تنے نقوش دیکھ دیکھ کر بوجھل ہونے لگا وہ اسے خود سے صدیوں کے فاصلے پہ محسوس ہو رہا تھا، اسے لگا اگر وہ مزید ایک پل بھی وہاں ٹھہری تو اپنا بھرم کھو دے گی اور وہ اب اپنا بھرم نہیں کھونا چاہتی تھی جبھی آنسو پیچھے دھکیل کر لب بھینچتے ہوئے تیزی سے اٹھی ابھی ایک قدم بھی نہ بڑھا پائی تھی کہ کمرا یکلخت گھپ اندھیرے میں ڈوب گیا۔

''ون اے منٹ پلیز ابھی مت جایئے ورشہ بی بی ایکچوئلی راستے میں بیگ اور کارٹن پڑے ہیں ان سے الجھ کر گر مت جایئے گا۔'' معاً اس نے اندھیرے میں بلال کی بھاری آواز کی گمبھیرتا کو اپنے آس پاس بکھرتے محسوس کیا تو دل دھک دھک کرنے لگا، چند لمحے خاموشی کی نظر ہوئے تبھی وہ اپنا سیل فون نکال کر آن کر چکا تھا، گھپ اندھیرے میں معمولی روشنی سے بھی ڈھارس محسوس ہوئی۔

''آیئے پلیز میں آپ کو ر باہر چھوڑ دوں۔'' وہ اٹھ کر کھڑا ہوا تھا، لہجہ بے تاثر اور متعدل تھا، ورشہ کا بوجھل دل کچھ اور بھی بھاری ہونے لگا، اس کے ساتھ قدم اٹھاتی وہ باہر آئی تو ہر سو چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔

''آئی تھینک اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔'' بلال نے قدم روکتے ہوئے سیل کی ٹارچ آف کی تھی ورشہ نے رک کر اسے پلٹتے دیکھا تھا اور لب سختی سے باہم جکڑے وہیں دیوار سے ٹیک لگا لی۔

''کیا میں ایسے شخص سے حال دل کہوں گی جس کے سینے میں میرے لئے کوئی جذبہ نہیں ہے جسے میری زندگی سے چلے جانے پہ بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا پھر کیا ضروری تھا کہ میں ان چند لمحوں کے حصار میں گھر کر اس کی اسیر ہو جاتی۔'' اس کا دل بھرانے سا لگا تھا۔

بانوری چکوری
دنیا سے چوری چوری
کرے چندا سے پیار
بانوری چکوری

گڈی کو مایوں بٹھایا گیا تو لڑکیاں جو پنڈ میں اس کی سہیلیاں تھیں ہر شام آ کے ڈھولک سنبھال لیتی، اس وقت بھی ڈھولک پہ پڑتی تھاپ کے ساتھ یہ چلبلی آوازیں اس تک پہنچی تھیں مگر وہ اپنے کمرے سے نہیں نکلی، اس کا جی ہر شے سے اچاٹ ہوا جا رہا تھا، ابھی کچھ دیر قبل ہی پاپا نے کال کی تھی، تب اس نے چھوٹتے ہی کہا تھا۔

''میں واپس آنا چاہتی ہوں۔''

digest library.com

''مگر یہاں کے حالات تو مزید خراب ہو گئے ہیں، تمہاری تلاش سے ناکامی کے بعد وہ لوگ اپنی ڈیمانڈز بڑھا چکے ہیں، بہت روڈلی بی ہیویر ہے ان کا کہہ رہے ہیں شاہ رخ خان کو ان کے حوالے کروں نہیں تو اپنی تمام جائیداد سے دستبردار ہو جاؤں۔'' وہ لہجے سے ہی بے حد ڈسٹرب محسوس ہو رہے تھے، مگر اسے پرواہ نہیں تھی، اس کا خیال تھا اس کے ساتھ جو ہوا تھا وہ کم نقصان نہیں تھا، اب جو مزید نقصان ہونے جا رہا تھا اس یکطرفہ محبت کی صورت میں وہ الگ۔

مائیں نی مائیں منڈیر پہ تیری بول رہا ہے کاگا
جوگن ہو گئی تیری دلاری من جوگی سنگ لاگا

اس کا ذہن ایک بار پھر ڈھولک پہ پڑنے والی زور دار تھاپ اور اس تیز آواز پہ چونکا تو مضطرب دل کچھ اور بھی اضطراب سمیٹ لایا جانے ان لڑکیوں کو کیا ہو گیا تھا کہاں سے اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسے گانے تلاش کر کے گا رہی تھیں جو اس کے دکھی دل کو مزید دکھ سے بھر جانے کا باعث بن رہے تھے، وہ بیکل سی اٹھ کر کھڑکی میں آ کر کھڑی ہو گئی، خزاں کا موسم شروع ہو چکا تھا، آنگن میں سوکھے پتوں کا ڈھیر لگا تھا جسے ہوا اپنے ساتھ اڑائے پھر رہی تھی اور جب یہی پتے کسی کے وزنی جوتوں تلے آ کر چرمرائے تب وہ زور سے چونکی تھی، سر اٹھایا وہ نگاہوں کے سامنے تھا، کف کفلنکس بند کرتا ہوا اپنے دھیان میں بیرونی دروازے کی سمت جا رہا تھا۔

''بلال ڈاکٹر بلال پلیز۔'' اسے پتہ بھی نہ چل سکا اور وہ عجیب بے اختیاری کی کیفیت میں اسے پکار بیٹھی اور خود ہی حیران رہ گئی، وہ چلتے ہوئے یکلخت رکا تھا اور بہت چونک کر اسے دیکھا، ہلکے فیروزی کلر کا سوٹ ہمرنگ دوپٹہ شانوں پہ پھیلائے الجھے ہوئے بے ترتیب بالوں کی لٹوں کو چہرے سے ہٹاتی وہ اسے بہت بے چین سی لگی۔

''جی بی بی، خیریت۔'' وہ کچھ متحیر سا ہوتا کھڑکی کے نزدیک آیا۔

''مجھے کچھ بات کرنی ہے تم سے ایسا کرو اندر آ جاؤ۔'' اور وہ جو ذہنی کشمکش میں تھی جیسے کسی منطقی انجام کو سوچ کر مطمئن ہوئی بولی، بلال کو ایک بار پھر بہت شدت سے اس کا یہ انداز غیر معمولی محسوس ہوا تو محتاط لہجے میں گویا ہوا۔

''ایسا کریں بی بی آپ باہر آ جایئے وہیں بات کر لیتے ہیں۔'' برآمدے کی سائیڈ پہ رکھے موڑوں کی سمیت اشارہ کرتے ہوئے وہ بولا اور ورشے اس کی بات کی مصلحت کو سمجھے بغیر سبکی اور خجالت کے احساس میں گھرتی لبوں کو باہم بھینچتی دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

''نہیں اس کی ضرورت نہیں جاؤ تم۔'' بلال نے اس کی آنکھوں میں امڈتا طیش اور چہرے کا تناؤ ایک نظر دیکھا تھا اور کچھ کہنے کو لب کھولے۔

''بی بی آپ۔''

''اوہ شٹ اپ ناؤ گیٹ لاسٹ۔'' وہ غضب سے بپھر کر پھنکاری، وہ ہی کل تک جو اس کے نزدیک معمولی حیثیت نہیں رکھتا تھا دل کے تقاضے بدلتے ہی خاص ہوا تھا تو بھی وہ اسے ہر لحاظ سے خود سے کمتر پاتی تھی یا پھر یہ شدید قسم کی کوئی جھنجھلاہٹ تھی جو اس طرح چھلک پڑی تھی، بلال کچھ بھی کہے بنا پلٹ کر چلا گیا تھا جبکہ وہ اپنے گال بھیگتے محسوس کرتی اپنے اندر بھڑکتی آگ کا آلاؤ میں ڈھلتا ہوا پا رہی تھی۔

وہ مہندی کا دن تھا اور صبح ہی صبح بلال کو شہر جانا پڑ گیا، گڈی کے زیور جیولر سے لانا تھے اس کے علاوہ بھی اس کے اپنے ذاتی قسم کچھ کام تھے، ہاتھ لینے سے پہلے کپڑے نکالے تو شرٹ کے بیشتر بٹن غائب تھے، گڈی کو یہ کام سونپ کر وہ

خود نہانے گھس گیا، اس تاکید کے ساتھ کہ اماں کے ہاتھ شرٹ ذرا جلدی بھجوا دینا، نہا کر وہ جینز پہ بنیان پہنے گلے میں تولیہ لٹکائے شیشے کے سامنے کھڑا بالوں میں کنگھی کر رہا تھا، جب دروازے پہ دستک کی آواز سنی۔

''آ جائیں۔'' کنگھی رکھ کر گلے سے تولیہ کھینچتے ہوئے اس نے پلٹے بغیر کہا کہ ذہن میں اماں کے علاوہ اور کسی کا بھی خیال نہیں تھا۔

''یہ آپ کی شرٹ۔'' ورشے کی آواز سے پہلے اس کا عکس شیشے میں ابھرتا دیکھ کر وہ ایک پل کو تو ساکن ہی رہ گیا۔

''آپ ورشے بی بی آپ نے یہ زحمت کیوں کی یہ کام آپ کے شایان شان تو نہیں ہیں۔'' شرٹ اس کے ہاتھ سے لے کر پہنتے ہوئے وہ اتنی شرمندگی سے گویا ہوا تھا کہ ورشے بھی اسے ایک نظر دیکھ کر شکست سے انداز میں ہنس پڑی تھی۔

''مگر قسمت مرتبے اور درجات نہیں دیکھا کرتی۔''

''جی۔'' بلال کے بٹن بند کرتے ہاتھ اس زاویے پہ ٹھٹک گئے، اس نے چونکتے ہوئے الجھ کر اسے دیکھا، میدے کی سی اجلی اور شفاف رنگت پہ معصومیت و نوخیزی کا بھرپور نکھار لئے وہ دلربا سی لڑکی اس پل بہت بجھی ہوئی اور غمگین محسوس ہو رہی تھی۔

''اینی پرابلم۔'' وہ واقعی بہت پریشان ہو چکا تھا، وہ ذرا سا چونکی اور پھر بے دلی سے مسکرا دی۔

''نہیں کچھ نہیں۔'' اس کی پلکیں بھیگنے لگی تھیں جبھی واپسی کے ارادے سے پلٹی مگر اس کی قدم کو زنجیر کرتی ہوئی پکار پہ مزید آگے نہ بڑھ پائی۔

''بی بی صاحبہ آپ اس روز کچھ کہنا چاہتی تھیں۔'' دیکھے بنا بھی وہ اس کی نگاہوں کو خود پہ مرتکز محسوس کر چکی تھی۔

''تم نے سنا نہیں تھا جانے دو۔''

''بی بی جی۔'' وہ بے بس سا ہوا۔

''آپ سمجھ نہیں پائیں اس وقت گھر میں مہمان تھے ہمارے ملنے جلنے والے رشتہ دار بھی ہماری طرح ہی ہیں، آپ کے خیال کے مطابق تنگ سوچ تنگ نظر شاید نہیں یقیناً انہیں آپ کا مجھ سے یوں تنہائی میں بات کرنا اچھا نہیں لگتا اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ آپ کی ذات پہ آپ کے کردار پہ انگلی اٹھے۔'' اور ورشے بے اختیار ہی اس کی سمت پلٹی تھی اور پوری آنکھیں وا کیئے اسے دیکھتی چلی گئی یہاں تک کہ اس کی آنسوؤں سے جل تھل ہوتی نگاہوں میں اس کا لمبا چھوڑا سراپا دھندلا کر رہ گیا۔

''(حذف شدہ) مجھے یہاں سے ملنا چاہیئے تھی وہاں سے نہیں ملی یہ دھبا تو لگ چکا اور تمہارے نام کا ہی پھر کیا برا ہے کہ میں ہمیشہ کے لئے اسی رسوائی اور بدنامی کو گلے سے لگا لوں) آپ واپس جانا چاہتی ہیں۔'' وہ اس کا ضبط کی کوشش میں سرخ پڑا ہوا چہرا بغور دیکھ رہا تھا۔

''ہاں اس لئے کہ اب مجھے سے مزید یہاں نہیں رہا جا رہا۔'' اس نے تمام آنسو اندر اتار لئے۔

''مجھے اندازہ ہے بی بی صاحبہ کہ یہ گھر اور یہاں کا ماحول کچھ بھی تو آپ کے اسٹینڈرڈ کے مطابق نہیں مگر (تم کبھی نہیں سمجھو گے ڈاکٹر بلال کہ میں یہاں سے کیوں جانا چاہتی ہوں اور تم کبھی نہ جان پاؤ گے کہ میں یہاں سے کیوں چلی گئی اور اس بات کا مجھے ہمیشہ دکھ ستاتا رہے گا کہ بے حس باپ سنگدل بھائی کی طرح قسمت نے مجھے کٹھور اور لاپرواہ سا بھی دیا)۔'' وہ تمام آنسو جو آنکھوں میں اترے تھے ایک ایک کر کے دل پہ

digest library.com

گرے اور جیسے دل میں سوراخ کرتے چلے گئے وہ کچھ کہے بنا پلٹ کر بھاگ گئی۔

''بی بی صاحبہ یہ آپ کے لئے ہیں، آئی ایم سوری مجھے لیڈیز شاپنگ کا اتنا سینس بھی نہیں ہے، بہرحال آپ کے لئے خریداری کرتے ہوئے میں نے پوری کوشش کی تھی کہ آپ کے اسٹینڈرڈ اور پسند کے مطابق ہو آئی ہوپ آپ کو اچھے لگیں۔'' وہ چھت پہ منڈیر سے لگی کھڑی تھی اور اماں کو کام کرنے والی مائی سے چاول صاف کراتے دیکھتی بھی جیسے کسی سوچ میں گم تھی، جب وہ اس کے پاس بڑا سا شاپنگ بیگ رکھتے ہوئے معمول سے نارمل انداز میں بولا تھا، ابھی کچھ دیر قبل ہی تو وہ شہر سے لوٹا تھا اور اس کے گمان تک نہ تھا وہ کوئی ایسا کام بھی کر سکتا ہے۔

''واٹ از دس۔'' ورشہ نے بہت حیران سی نظروں سے پلٹ کر پہلے اسے پھر شاپنگ بیگ کو دیکھا تھا۔

''ڈریسز ہیں شادی میں پہننے کے لئے مجھے اچانک ہی اس بات کا خیال آ گیا کہ آپ کے پاس تقریب کی لحاظ سے کپڑے نہیں ہیں تو آپ نے مائنڈ تو نہیں کیا۔'' اسے یکلخت خاموش ہو کر لب بھینچتے دیکھتا وہ کس قدر گھبراہٹ کا شکار ہو گیا۔

''مگر یہ ڈریسز تو تمہیں پروین کے لئے لانا چاہیے تھے، آف کورس اس کی تمہارے ساتھ شادی ہونے والی ہے۔'' وہ جل کر خاکستر ہو رہی تھی سوچا تھا عہد کیا تھا اس سے کچھ نہیں کہنا اپنا آپ ہلکا کرنا اسے کسی طور منظور نہیں تھا، مگر اندر کا غبار تھا کہ باہر آنے کو بے تاب ہوا جا رہا تھا، اب اس پہ موقع ایسا آ گیا کہ وہ اندر کی ساری کھولن نکالنے کو تیار ہو گئی۔

''ارے۔'' وہ اس کا جلا پا محسوس کیئے بنا ذرا سا ہنسا۔

''ابھی کیا ضرورت ہے ابھی کون سا شادی ہوئی ہے، ذمہ داری تو میری وہ تب ہو گی جب شادی ہو جائے گی۔'' جانے وہ واقعی اتنا معصوم تھا یا پھر دانستہ اسے ہرٹ کرنا مقصود تھا جو بھی تھا بہرحال ورشے کے تو اس کا یہ اطمینان آگ لگا گیا تھا۔

''بالکل ٹھیک ابھی وہ تمہاری ذمہ داری نہیں ہے اس لئے تمہیں ضرورت بھی نہیں ہے اس کی ناز برداری کرنے کی بی کوز ابھی وہ تمہاری بیوی جو نہیں بنی ابھی میں تمہاری بیوی ہوں نا اس لئے تم مجھ پہ یہ احسان کرنا چاہتے ہو مگر ایک بات کان کھول کر سن لو ڈاکٹر بلال کہ مجھے تمہاری اس بھیک یا خیرایت کی ضرورت نہیں ہے میں پروین نہیں ہوں سمجھے تم۔'' اس کا ہذیانی لہجہ بتدریج بلند ہوتا چلا گیا، بلال کو تو جیسے اس کے اس شدید درعمل پہ سانپ سونگھ گیا مگر جب اس نے سخت اشتعال بھرے انداز میں بیگ سے کپڑے نکال نکال کر اس پہ پھینکے تب اس کے ہاتھ پیر پھولنے لگے تھے۔

''بی بی صاحبہ پلیز میرا یہ مطلب نہیں تھا، پلیز کنٹرول یور سیلف نیچے بہت لوگ ہیں سب کیا سوچیں گے۔'' وہ بوکھلا بوکھلا کر کہتا گزارش پیش کرتا رہا مگر وہ حواسوں میں ہی کب تھی۔

''دفع ہو جاؤ آئی ہیٹ یو۔'' وہ اسے دھکے دیتی ہوئی چلانے لگی اسے اس بات کی بالکل پرواہ نہیں تھی کہ نیچے صحن اور کمروں میں موجود مہمانوں نے اس کی آواز سنی ہو گی تو کیا سوچا ہو گا، آخر گھر تھا کتنا بڑا پورا معاملہ نہیں بھی تو کچھ نہ کچھ بھنک تو سب کو پڑ جاتی۔

''تو تم اپنی اماں کی مرضی کے مطابق پروین سے شادی کر لو گے۔'' گڈی رخصت ہو

کے جا چکی تھی، آج گڈی کا مکلا وہ تھا، پروین گھر میں اماں کا کام کاج میں ہاتھ بٹانے کی نیت سے رک گئی تھی، شادی والے گھر میں بکھیڑا ابھی تو کچھ کم نہیں ہوا کرتا، سانولے سے رنگ کی عام سی نقوش کی مالک دبلی پتلی سی پروین اسے کسی طرح بھی اپنی رقابت کے قابل محسوس نہیں ہوئی تھی، بلال کسی کام سے اندر آیا تھا جب وہ بے دھڑک اس کے پیچھے آ کر بہت چبھتے ہوئے لہجے میں استفسار کر رہی تھی، الماری میں کچھ ڈھونڈتا ہوا بلال بہت زور سے چونکا اور پلٹ کر نافہم الجھن آمیز نگاہوں میں تحیر سمو کر اسے دیکھنے لگا، جو حالات سمجھا رہے تھے وہ اتنا ناقابل یقین تھا کہ وہ سمجھ کر بھی نہیں سمجھنا چاہتا تھا، ایک بار پھر وہی بات کر وہ اپنے متعلق کسی خوش فہمی کا شکار نہیں تھا۔

''ہاں ظاہر ہے مجھے کسی نہ کسی سے تو شادی کرنا ہی ہے، اگر یہ شادی اماں کی پسند سے ہو جائے تو زیادہ اچھی بات ہے۔'' چند لمحے اس کی کیفیت کو محسوس کرتے رہنے کے بعد وہ اسے جزبز ہوتا بہت سرسری سے لہجے میں بولا۔

(یہ کیا کر رہی ہے یہ لڑکی کیا اس کے دماغ میں اپنے باپ کے اس اٹھائے گئے قدم سے جو نفرت وغصہ تھا اس کا رخ میری جانب مڑ گیا ہے، یہ مجھ سے ایسا اور یہ اپنا کر میری اور کسی انداز میں انسلٹ کرنے کا ارادہ تو نہیں کیئے بیٹھی) اس کی بات پہ ورشے کے اندر بہت دور تک زہر پھیل گیا تھا۔

''اس کے باوجود کہ آپ کی شادی ہو چکی ہے۔'' دو قدم بڑھا کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے وہ جس قدر تلخی سے بولی تھی۔

''بقایا زندگی دھوپ۔''

اسے دیکھتے بلال سر جھٹک کر رہ گیا، اس کے دل و دماغ میں ایک جنگ سی چھڑ گئی وہ قطعی یہ سمجھنے سے قاصر رہا آیا وہ اس کے ساتھ کوئی مذاق کر رہی ہے یا واقعی وہ اس کی ذات میں انوالو ہو چکی ہے، جو بھی تھا یہ معاملہ ایسا تھا کہ اس کے صرف محتاط رہنے میں ہی عافیت تھی، پروین اس لحاظ سے اسے بھی پسند نہیں تھی، اماں پچھلے تین سالوں سے اسے پروین کے لئے ہموار کرنے کی کوششوں میں مصروف تھیں اور اب اگر وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے مانا تھا تب بھی ورشہ کی ہی وجہ سے اپنے تئیں اس قدم کو اٹھا کر اس پہ اس رشتے کی غیر پائیداری اور اس کی شرائط واضح کرنا تھا، مگر وہ تو الٹا بپھر سی گئی تھی اور اب اس کا یہ شدید ردعمل بلال کو اندر سے خائف کرنا شروع کر چکا تھا، ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ بالکل ہی فرشتہ صفت تھا کہ اس درجہ حسین خوبصورت لڑکی رشتے کے استحقاق سمیت اور اب تو خود بھی اس کی سمت ملتفت تھی اور وہ اسے اگنور کیئے رکھتے وہ تو اب تک کے تمام مرحلے میں سب سے زیادہ کٹھن وقت میں داخل ہوا تھا، جب وہ آس بھری نظروں سے اسے دیکھتی تو کیسے وہ اندر سے ڈول کر رہ جایا کرتا، مگر وہ کمزور پڑ نا راہ سے بھٹکنا نہیں چاہتا تھا اور اس آزمائش پریڈ سے کامیابی سمیت نکل آنا چاہتا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہو کچھ پوچھا ہے تم سے۔''

اسے لب بستہ خاموش پا کے ورشے کو اچھی خاصی توہین محسوس ہوئی۔

''میرا خیال ہے میں آپ کی بات کا جواب دے چکا ہوں۔'' الماری کا پٹ کر کے اس نے ایک پل کو اسے دیکھا۔

''اوہ۔'' اس نے ہونٹ سکوڑے۔

''کیا سمجھوں میں اس سے کہ تم میری انسلٹ کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔'' وہ بھڑک اٹھی۔

''یو نو قانونی لحاظ سے بھی دوسری شادی کو رچانے سے قبل تمہیں مجھ سے اجازت لینا پڑے

digest library.com

گی۔'' اس نے جیسے سخت کلس کر کہا۔
''دیکھیئے بی بی صاحبہ۔''
''ورشے کہو مجھے یہ بی بی وبی بالکل پسند نہیں۔'' اس نے نخوت سے کہہ کر ناک چڑھایا تو بلال لب بھینچے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھنے لگا، اس کے چہرے سے بے بسی کا اظہار بہت واضح ہو رہا تھا، پھر جیسے سر جھٹک کر ہر کیفیت کو جھٹکتے ہوئے بے نیازی سے بولا تھا۔
''او کے فائن یونہی سہی، ہاں تو ورشے صاحبہ میرا خیال ہے اب مجھے بالکل کلیئر بات کر لینا چاہیے، ہمارا یہ رشتہ کسی بنیاد پہ جوڑا گیا تھا اس سے آپ اچھی طرح سے آگاہ ہیں، اس کی شرائط کیا تمہیں مجھے ازبر ہیں آپ اگر بھول رہی ہوں تو میں یاد۔''
''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ ناگواری سمیت چیخی پھر اس پہ ایک کڑی اور سرد نگاہ ڈالتے ہوئے غضب میں بپھر کر بولی تھی۔
''بہت بارسا شو کر رہے ہو خود کو حالانکہ تم مردوں کی سائیکی کو میں اچھی طرح سمجھتی ہوں، تمہارے نزدیک شادی کا دوسرا مطلب ہی اپنے نفس کی تسکین ہے اور اب جبکہ مجھ سے تمہارا یہ مقصد پورا نہیں ہوا تو تم دوسری شادی پہ تل گئے۔'' بلال کے ماتھے کی شکنوں اور چہرے کے برہمی چھلکاتے تاثرات کو خاطر میں لائے بغیر وہ الٹا سیدھا جو بھی منہ میں آیا اس پہ دھیان دیئے بغیر بس اندر کی کھولن اور تپش نکالتی رہی تھی۔
''بس کہہ چکیں آپ یا مزید کچھ کہنا باقی ہے۔'' وہ اس کے شعلہ ساماں موڈ کو خاطر میں لائے بغیر بہت رسانیت سے بولا، ورشے نے غصیلی نظروں سے اسے دیکھا اور تنفر زدہ انداز میں منہ پھیر لیا۔
''آپ کی باتوں کا برا منانا چاہوں بھی تو نہیں منا سکتا ورشہ بی بی کہ اس کی وجہ آپ کی ذات نہیں میرا وہ احسان ہے جو اس کے بعد احسان نہیں رہے گا، آپ نے جو کچھ میرے بارے میں کہا مجھے اس سے قطعی کوئی غرض نہیں آف کورس کوئی کسی کی سوچ پہ پابندی نہیں لگا سکتا، میں اس سوچ کے ساتھ مطمئن ہو کہ جو میں ہوں، اس سے میں خود اچھی طرح آگاہ ہوں، میں یہ نہیں پوچھوں گی کہ مجھ میں کیا کمی ہے کیونکہ میں جانتی ہوں مجھ میں کوئی کمی نہیں ہے، ہاں البتہ تم اس قسم کے رویئے کو اپنا کر خود کو کچھ خاص ثابت کرنے پہ تلے ہوئے ہو، مگر ایک بات یاد رکھنا ڈاکٹر بلال کہ میں تمہیں وہ بھی نہیں کرنے دوں گی جو تم کرنے جا رہے ہو، ایک مقام پہ اگر زندگی مجھے ہرا چکی ہے تو اس مقام پہ میں اپنا آپ آسانی سے شکست کے حوالے نہیں کروں گی، میں خودکشی کر لوں گی مگر پاپا کے پاس واپس نہیں جاؤں گی۔'' ایک ایک لفظ چبا کر کہتی وہ پلٹ کر باہر نکل گئی، جبکہ ڈاکٹر بلال اسی دھونس زبردستی میں چھلکی پڑتی بے بسی کے سامنے تھکن کا شکار ہوتا ہوا بستر پہ بے دم سے انداز میں بیٹھ گیا، اس کا ذہن بالکل بلینک ہوتا جا رہا تھا، اسے قطعی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اسے کیا کرنا چاہیے رات کا ہی کوئی پہر تھا، جب کسی احساس نے اس کے خوابیدہ ذہو کو جھنجھوڑا تھا، دروازے پہ ہونے والی دستک کی آواز پہلے کی مرتبہ شدت ہی نہیں ہیجان بھی لئے تھی وہ سوئے جاگے حواسوں سمیت تیزی سے اٹھا اور بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔
''وہ..... وہ اماں کی طبیعت خراب.....''
دروازے کے باہر ورشے کا چہرا سراسیمگی کے آثار لئے دھندلا سا نظر آیا، پوری بات سنے بغیر ہی وہ اسے سامنے سے دھکیلتا ہوا بھاگنے کے انداز میں دوسرے کمرے تک آیا تھا، جہاں اماں چارپائی پہ لیٹی تھیں اگلے پندرہ منٹ وہ انہیں ضروری ٹریٹمنٹ دینے میں اتنا مصروف ہوا کہ

اپنی گھبراہٹوں پہ بھی دھیان نہ دے سکا۔

''ان کا بی پی خطرناک حد تک شوٹ کر گیا تھا، اس کے علاوہ سینے کا درد بھی بڑھ چکا تھا اب یہ ٹھیک ہیں۔'' اماں کا سانس بحال ہوا کھانسی کا دورہ تھما تب وہ ذرا ریلیکس ہوتے ہوئے دوسری چارپائی پہ ابھی بیٹھا ہی تھا جب ورشے جو تب سے دیوار سے لگی کھڑی یہ ساری کاروائی دیکھ رہی تھی خوفزدہ سے انداز میں اسے مخاطب کر گئی، بلال یوں چونکا، جیسے ابھی ابھی اس کی موجودگی سے آگاہ ہوا ہو۔

''ہوں چ بیٹر۔'' اس کی اٹھی ہوئی نگاہ ورشہ کے سراپے میں الجھ کر رہ گئی، یہ پہلا موقع تھا کہ وہ یوں بے تکلفی سمیت اس کے سامنے بنا دوپٹے کے آئی تھی، وہ بھی یقیناً اس لئے کہ اماں کی طبیعت کی خرابی کے دوران گھبراہٹ میں وہ اس جانب توجہ نہیں دے پائی، معاً وہ اس کی بوکھلاہٹ اور خفت کو محسوس کرتا ہوا اچھی خاصی شرمندگی کے احساس سمیت نظریں پھیر گیا تو اس کا کاسنی دوپٹہ اپنے نزدیک ہی پڑا نظر آ گیا، وہ اٹھا تھا اور دانستہ چکر کاٹ کر اماں کے سرہانے کی جانب چلا گیا، دونوں ہی ایک دوسرے سے گریزاں تھے، ورشے نے سرعت سے لپک کر دوپٹہ اٹھایا اور کاندھوں پہ ڈالتی ہوئی پلٹ کر باہر چلی گئی۔

''اماں آنکھیں کھولیں پلیز۔'' وہ ان پہ جھک کر رقت آمیز آواز میں بولا اور ان کا چہرا ہاتھوں کے پیالے میں لے لیا۔

''بھلا آپ یوں بھی مجھ سے خفا ہو سکتی ہیں، مجھے معاف کر دیں اماں کہ میں نے آپ سے چھپایا مقصد تو آپ کو پریشانی سے بچانا تھا میں جانتا تھا کہ آپ کو یہ اچھا نہیں لگے گا، جب میں ورشہ بی بی کو طلاق.....'' گم صم ویران آنکھوں سے اسے دیکھتیں اماں نے اپنا کانپتا ہوا ہاتھ اس کے ہونٹوں پہ رکھ دیا۔

''اماں!'' بلال نے ان کا ہاتھ پکڑ کر چوما۔

''تم اسے طلاق نہیں دو گے بلو اس لئے نہیں کہ ہمارے خاندان میں آج تک طلاق نہیں ہوئی، یہ میں اس لئے کہہ رہی ہوں پتر کہ اس کڑی کی آنکھوں میں تیرے ساتھ بسنے کے ارمان تڑپ رہے ہیں، وعدہ کر مجھ سے تو اس کے خوابوں کو نہیں توڑے گا۔'' پرسوں شام کی اس کی اور ورشے کی بحث اماں سن چکی تھیں اور تب سے اب تک خفا تھیں بس یہی ایک ضد تھی جس کا اصرار اب بھی جاری تھا، وہ نرمی سے جھنجھلایا۔

''مگر اماں میں خائن بھی بننا نہیں چاہتا بد عہدی کا مرتکب ہوں گا ذرا سوچیں۔'' وہ دل کی خواہش سے نظریں چرا کر کہہ رہا تھا۔

''(ورنہ دل بھی تو اس بغاوت پہ اکسا رہا تھا اس دشمن جاں کی تمام دلکش ادائیں بھلا کہیں کم رکھ پائیں تھیں اسے) اس کا کیا قصور ہے پہلے باپ اور بھائی کے نام پہ معتوب ہوئی پھر انہی کے حکم پہ اپنی خوش اور سکون سے دستبردار ہو جائے، غیریت مند بنو بلو وہ بیوی ہے تمہاری کیسے بنا کسی قصور یا غلطی کے اسے چھوڑ دو گے، معاف سکو گے خود کو۔'' انہوں نے پھولے ہوئے سانسوں کے درمیان ملامت سے کہا۔

''یہی طے پایا تھا اماں، نکاح کوئی کھیل نہیں ہے روز جزا خدا کے سامنے مجرم ٹھہرو گے ایک گنہگار کی حیثیت سے رب کا سامنا کیسے کرو گے۔'' انہوں نے کہا تھا اور آنکھیں موند لیں یوں جیسے بہت تھک گئی ہوں اور بلال کی اتنے روز کی کشمکش جیسے اس پل ختم ہو گئی۔

''ابھی رات بہت باقی ہے بلو اور میں ٹھیک ہوں جاؤ سو جاؤ جا کے اور صبح تک اچھا فیصلہ کر لو کہ گزرا وقت پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔'' وہ یونہی بند آنکھوں سے بولیں تھیں اور وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا

digest library.com

اب اسے سوچنے کی ضرورت نہیں تھی فیصلہ تو ہو چکا تھا، وہ باہر آیا تو ورشے دونوں بازو سینے پہ باندھے دیوار سے ٹیک لگائے رات کے اس پہر دھیرے دھیرے اترتی خنکی کو محسوس کرتی چاند کو دیکھ رہی تھی، وہ آہستگی سے چلتا ہوا اس کے برابر آ گیا، چاندنی رات میں تنہا کھڑی کیا سوچ رہی ہیں، اس نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا، ورشے چونک گئی۔

''بس جا رہی ہوں اماں کی طبیعت اب کیسی ہے۔'' وہ سیدھی ہو گئی تھی سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تو ان نگاہوں کے یکسر بدلے انداز کو پا کر گھبرا گئی۔

''اماں ٹھیک ہیں اور چاہ رہی ہیں اب ہم بھی آرام کریں۔'' مسکراہٹ اس کے لبوں کی تراش میں مچلنے لگی۔

''جی میں جا رہی ہوں بس۔'' وہ ایکدم ہی سٹپٹائی۔

''ادھر کہاں مادام میرا بیڈ روم تو ادھر ہے، اسے رونق بخشیں تو ہم احسان مند ہوں گے۔''

''جی کیا مطلب۔'' وہ ششدر ہو کر آنکھیں پھاڑے اسے دیکھنے لگی، جو سنا تھا اس پہ جیسے یقین نہیں آ سکا بھلا کوئی جادو کی چھڑی کب گھما کر کیا تھا کہ منظر پس منظر سب کچھ بدل گیا۔

''مطلب اتنی حسین لڑکی جو اتفاق سے میری بیوی بھی ہے، اگر خوامخواہ رعب ڈالے بدتمیزی کرے، خود سے کمتر سمجھے تو غصہ تو آئے گا نا۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ہنستا ہوا بولا تو ورشے اس کایا پلٹ پہ حیران ہوتی ہوئی غصے میں آ گئی۔

''تو اب وہ غصہ کہاں گیا ہاتھ چھوڑیے میرا۔''

''اگر نہ چھوڑیں تو۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر مسکرایا، تو جواباً ورشے نے ایک ہاتھ اس کے کاندھے پہ مار دیا تھا۔

''چھوڑ سکتے بھی نہیں ہیں، ایسا کر کے تو دیکھیئے گا۔'' وہ اسی دھونس سے بولی تھی اور رات کے اس پچھلے پہر جب صبح کی پیامبر خوشگوار ہوائیں چلنے لگی تھیں ان مہکتی ہواؤں نے ان کی مشترکہ ہنسی سنی تھی اور مسکرا دی تھیں۔

وہ بہت زور سے چونکا تھا رات بیت چکی تھی اور ایک ہی زاویے پہ بیٹھے بیٹھے اس کے اعصاب شل ہو چکے تھے، ان لمحوں کا درد ان کی اذیت ابھی تک اس کی رگوں میں دوڑتی تھی، اس کا خدشہ درست ہی تو نکلا تھا، وہ اس کے ساتھ کھیل کھیل رہی تھی، اسے وہ دن کبھی نہیں بھول سکتا تھا، اماں کو دنیا سے گزرے محض تین دن ہوئے تھے، وہ غم سے نڈھال تھا، ورشے کی تسلیاں دلاسے بھی اسے سنبھال نہیں پا رہی تھیں، سوئم کے بعد ورشے نے اسے زبردستی بھیجا تھا اس روز اس کا انٹرویو تھا۔

''پلیز چلے جائیں ہو سکتا ہے یہیں بات بن جائے۔'' اور اس نے اس کی بات مان لی تھی واپسی پہ وہ خاصا پرامید تھا مگر وہ گھر پہ اسے نہیں مل سکی تھی البتہ اس کا چھوڑا ہوا خط وہاں اس کا منتظر تھا۔

''پاپا مجھے زبردستی لے جا رہے ہیں مگر میں پریشان نہیں ہوں تم پلیز مجھ سے ملو کوئی حل نکل ہی آئے گا۔'' اور وہ اتنا ڈسٹرب ہوا تھا کہ سوچے سمجھے بغیر اس کے پیچھے چلا آیا تھا اور اس کے مطلق العنان باپ نے اسے اس تک پہنچنے بھی نہیں دیا تھا، اس نے اس اسٹوری کے آغاز پہ ایک بات بہت تنفر سے سوچی تھی ایسا تو فلموں میں ہوتا ہے اور اب جس طرح اس کے دولت کے نشے میں چور باپ نے اسے اپنے نوکروں سے کہہ کر پٹوایا تھا اس کے بعد ایک بار پھر اسے اپنا آپ کسی فلم کے کردار کی طرح ہی لگا تھا۔

''میں ورشے سے ملے بغیر نہیں جاؤں گا۔''
ناک اور ہونٹوں سے نکلتے خون کو صاف کرتا ہوا وہ ہمت ہارنے کو تیار نہیں تھا۔
''وہ تم سے ملنا نہیں چاہتی، اب تم دفع ہو جاؤ۔'' وہ پھنکارے تھے۔
''میں نہیں مان سکتا اور۔''
''اوکے۔'' ابراہیم خان نے ہاتھ اٹھا کر پھنکار زدہ لہجے میں اسے ٹوکا پھر ملازمہ کو پکارا وہ آ گئی تو بلال کو سرد نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔
''جاؤ ورشے بی بی کو بلا کے لاؤ کسی کی خوش فہمی جتنی جلد دور ہو جائے اچھا ہے۔'' پھر ملازمہ کے جانے کے بعد حقارت سے ہونٹ سکوڑ کر بولے تھے۔
''اس نے تمہیں گھمایا اور تم گھوم گئے، مجھے تو تم مردانگی کے نام پہ دھبہ محسوس ہو رہے ہو۔''
بلال نے دانت بھینچ کر اپنا غصہ ضبط کر لیا تھا، اسے ورشے کا انتظار تھا، وہ اس کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتی تھی وہ چاہتا بھی تو یقین نہ کر پاتا مگر اس وقت اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہی تھی جب ورشے سرد جامد اور بیگانے انداز میں آ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی، جبکہ وہ کیسے بے تاب بے قرار سا ہو کر اس کی جانب لپکا تھا۔
''ورشے یہ.....''
''یہیں رک جاؤ، میں جانتی ہوں تم کیا کہو گے، پاپا کی باتوں کا یقین نہ کر کے تم اپنی حماقت کا ثبوت فراہم کر چکے ہو ڈاکٹر بلال تم جو پہلے مجھے سمجھتے رہے تھے وہی صحیح تھا، بھلا مجھے کیا ضرورت تھی تم جیسے عام دو ٹکے کے انسان کی ذات میں انوالو ہونے کی، تھا کیا تم میں، پتہ ہے لوگ ہنستے تھے تمہیں میرے ساتھ دیکھ کر ترس کھاتے تھے مجھ پہ اور تمہارا مذاق اڑایا کرتے، مجھے ساری زندگی یہ تماشا اپنے ساتھ لگا کر نہیں رکھنا تھا۔'' وہ اس کی حیرت رنج اور صدمے سے پھٹی پھٹی آنکھوں میں اپنی سرد نظریں گاڑھے اتنی رعونت اتنی سفاکی سے کہہ رہی تھی کہ وہ گر یقین کرنا چاہتا بھی تو نہیں کر سکتا تھا، مگر کب تک یقین تو کرنا تھا نا، اسے دکھ تھا تو اپنی کم فہمی پہ تاسف تھا تو اپنی سادگی پہ ملال تھا تو اپنے آسانی سے دھوکہ کھا جانے پہ پھر کتنا عرصہ وہ اس دکھ کے ساتھ سنبھل نہیں پایا اور جب خود کو سنبھالا تو جاب ڈھونڈنے کی بجائے اس نے بیرون ملک جانے کی کوشش شروع کر دی اس شہر اس ملک کی فضاؤں میں اس کی بے وفائی کے زخم کبھی نہ بھرتے اور وہ اسے بھلانا چاہ رہا تھا، مگر وہ جہاں سب کچھ کر پایا صرف یہی نہیں تین سال امریکہ جیسے ملک میں رہ کر بھی جب وہ اپنی اس کوشش میں تھک گیا تو واپس پاکستان آ گیا پیسہ بھی تھا اور حیثیت بھی کہ وہاں اس نے صرف کام نہیں کیا تھا ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کی تھی، یہاں آتے ہی اسے بہت اچھی جاب مل گئی تھی، وہ لوگوں کے دلوں کا مسیحا بن گیا تھا مگر اپنے دل کو سنبھالنا آج تک نہ آ سکا۔

انگلینڈ سے ہارٹ اسپیشلسٹ ڈاکٹرز کی ایک ٹیم پاکستان وزٹ کے لئے آئی تھی یہاں اس بیماری کے بڑھتے ہوئے اسباب اور ان کی روک تھام کے سلسلے میں حکومت پاکستان نے ایک تربیتی پروگرام شروع کیا تھا جس میں لوگوں کو اس بیماری کے متعلق انفارمیشن دینے اور ان سے بچاؤ کے لئے ہدایات کے حوالے سے ایک لمبا پراسس شروع کرنے کا پروگرام تھا، وہ چونکہ ہوسپٹل میں سرجن ہونے کی حیثیت سے اہم عہدہ رکھتا تھا جبھی اس کام میں ہر جگہ پیش پیش تھا، پاکستان بھر سے ہارٹ اسپیشلسٹ ڈاکٹرز کو اس خیراتی اور فلاحی کام میں شریک ہونے کی

digest library.com

دعوت دی گئی تھی اور جب بلیک پینٹ کوٹ میں اپنی باوقار شخصیت سمیت وہ میٹنگ میں شریک ہونے کو ہوٹل پہنچا تو وہاں مختلف رنگوں اور زبانوں سے تعلق رکھنے والے ایک ہی ملک پاکستان کے باسی دلوں کے مسیحا آپس میں اس ایک موضوع پہ اظہار خیال کر رہے تھے، ساتھ ساتھ ایک دوسرے سے تعارف کا مرحلہ بھی نپٹایا جا رہا تھا اور تب ہی ڈاکٹر بلال کی زندگی میں دوسری بار وہ مقام آیا تھا جب اسے لگا تھا زندگی اسے آزما رہی ہے، سفید ساڑھی میں ملبوس رنگ برنگے خوبصورت خوش نما پھولوں سے سجے ڈارک کلرز اسکارف سے اچھی طرح سر ڈھانپے اپنی بے حد بہکا دینے والی خوبصورتی سمیت وہ اس کے سامنے تھی، دونوں کی نگاہیں غیر ارادی طور پہ چار ہوئی تھیں اور جیسے سمے کی دھڑکن تھم کر رہ گئی تھی، پھر ڈاکٹر بلال ہی چونکا تھا اور لب بھینچ کر نگاہ کا زاویہ بدل لیا تھا۔

''یہ مسز ورشے بلال ہیں سر۔'' اس کا ماتحت ڈاکٹر فرمان اس کا تعارف اس سے کروا رہا تھا، شاید وہ دونوں کو ایک دوسرے کی سمت متوجہ دیکھ چکا تھا۔

''مسز ورشے بلال۔'' اس کے لبوں پہ زہر خند پھیلا تھا۔

''اگر وہ تماشا تمہیں ساری زندگی اپنے ساتھ لگا نہیں رکھنا تھا تو یہ ڈھونگ کیوں رچا رکھا ہے۔'' اس کے چہرے پہ ہی تمسخرانہ تاثرات ابھرے تھے جنہیں دیکھتیں وہ سر جھکا گئی تھی۔

''عجب حسن اتفاق ہے یہ بھی بلال ہیں اور ان کے ہزبینڈ کا نام بھی۔'' وہ کوئی بہت شوخ مزاج قسم کا بندہ تھا جو ہنس کر کہہ رہا تھا، وہ ایک جھٹکے سے پلٹ گیا، ورشے کی نگاہوں نے بہت دور تک اس کا پیچھا کیا اور پھر اس کی آنکھیں ڈھیروں ڈھیر نمی سمٹ لائی تھیں۔

''صاحب یہ راشن کی لسٹ ہے، ابھی سے کوٹ کی جیب میں رکھ لیں، ویسے میں آپ کو فون کر کے بھی یاد دلا دوں گا مگر سودا تو تب آئے گا نا جب لسٹ آپ کے پاس ہو گی۔'' اگلی صبح وہ تیار ہو رہا تھا سحری میں اٹھا تھا نماز کے بعد تلاوت کرتے تسبیحات پڑھتے وہ چھ سات بجے سویا تو آنکھ تاخیر سے کھلی تھی، فریش ہونے کے بعد ہاسپٹل جانے کو نکل رہا تھا، جب ملازمہ کچن سے نکل کر بھاگی آئی، بوڑھی عورت تھی، بے سہارا بھی پچھلے دو سالوں سے اس کے گھر میں ہی قیام پذیر تھی، محنت کش تھی اور ایماندار بھی پورا گھر اس کے سر پہ چل رہا تھا۔

''اف توبہ ایک تو گرمی اوپر سے روزے۔'' ملازمہ بیچاری دھوپ میں کھڑی ہانپ رہی تھی۔

''لائیے دیجئے اور آپ جائیں میں سودا لا دوں گا۔'' اس نے لسٹ تھام لی تھی اور ہاسپٹل سے واپسی پہ اسے قطعاً یاد نہ رہتا اگر ملازمہ فون پہ یاد دہانی نہ کرواتی، وہ میکرو جانے سے قبل شاپنگ آرکیڈ چلا آیا، عید کے لئے ابھی سے تیاری کرنے کا سوچ لیا تھا، گہما گہمی اور رش سے اب اسے بہت وحشت ہوا کرتی تھی، سفید شرٹ جس پہ گرے لائننگ تھیں، اسے اچھی لگی تو ہاتھ بڑھا کر وہیں ہینگر نکال لیا، ایڑیوں کے بل گھوم کر آئینے کی سمت رخ پھیرتے ہوئے شرٹ کو اپنے ساتھ لگا کر دیکھا۔

''اچھی لگ رہی ہے اس لئے ضرور لے لیجئے۔'' اس نے چونک کر سر اٹھایا وہ ہلکے نیلے کلر کے ایمبرائیڈڈ لباس میں اپنی تمام تر دلکشی اور اٹریکشن کے ساتھ اس کے سامنے آ چکی تھی۔

''کیسے ہیں۔'' اس کے چہرے پہ بکھرتے بھرپور اجنبیت تلخی اور لاتعلقی کے ساتھ سنجیدگی کو محسوس کر کے بھی وہ بہت بے تکلفی سے مسکرائی

تھی، بلال نے شرٹ واپس پٹخی اور واپسی کو قدم موڑے تھے جب وہ ایک دم بھاگ کر اس کے راستے میں آ گئی۔

''صفائی کا موقع دیئے بغیر ملی سزا کو ہرگز قبول نہیں کروں کی ڈاکٹر بلال، میری۔''

''شٹ اپ جسٹ شٹ اپ راستے سے ہٹو میرے۔'' وہ بولا نہیں غرایا تھا، مگر وہ پھر بھی خائف نہیں ہوئی۔

''ہمارا بار بار ملنا اس بات کی سمت اشارہ کرتا ہے بلال کہ ہمارے راستے نہ علیحدہ تھے نہ ہیں۔''

''تم۔'' اس نے دانت پیسے اور شعلہ باز نظروں سے اسے دیکھا، مگر وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر کانپتے لبوں سے بولی تھی۔

''مجھے معاف کر دو بلال صرف ایک بار پلیز صرف ایک بار مجھے سن تو لو پھر تمہیں اختیار ہو گا بیشک جھٹک دینا۔'' وہ رو دی تھی۔

''میں یہ سب کیوں کروں گا جبکہ میں کوئی مفاد کوئی ضرورت نہیں سمجھتا میں اس کی۔'' وہ اسے سامنے سے دھکیل کر لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا، ورشے وہیں ہاتھوں میں چہرا ڈھانپ کر بے اختیار روتی چلی گئی تھی۔

تم کو دیکھا تو یہ خیال آیا
زندگی دھوپ تم گھنا سایہ
تم چلے جاؤ پھر یہ سوچیں گے
ہم نے کیا کھویا ہم نے کیا پایا
ہم جسے گنگنا نہیں سکتے
زندگی نے ایسا گیت کیوں گایا

آنسو قطرہ قطرہ اس کی آنکھوں سے بہتے کنپٹیوں سے ہو کر بالوں اور تکیے میں جذب ہوتے چلے گئے اس بے انت مسافت نے کتنا تھکا دیا تھا اسے آج اگر وہ برس ہا برس کی دعاؤں کے نتیجے میں ملا تھا جو اتنا بدگمان تھا کہ اسے منانا اسے دنیا کا سب سے دشوار کام لگا تھا، پتہ نہیں کیوں زندگی میں سب ویسا کیوں ہوا تھا جو اس نے کبھی نہیں چاہا تھا، پہلے اس شخص کا ساتھ جو اسے قبول تھا نہ گوارا پھر اسی شخص کی محبت جسے اس نے بڑی دقتوں سے قبولا اور پھر منوایا تھا اور پھر پاپا کا حکم انہوں نے تو اس کے ارادے اس کا فیصلہ سن کر طوفان اٹھا دیا تھا، طعنے طنز نشتر ان کی زبان نے کیسے کیسے گھاؤ نہ لگاتے تھے اسے مگر وہ کہیں بھی تو نہیں پسپا ہوئی تھی۔

''آپ کچھ بھی کہہ لیں پاپا میں نہیں چھوڑوں گی، تمہیں ایسا کرنا پڑے گا ورشے ورنہ میں بہت برا کروں گا۔'' انہوں نے طیش کے عالم میں چیخ کر کہا تھا اس دو ٹکے کے کمتر معمولی انسان کو میں داماد کی حیثیت سے قبول نہیں کر سکتا۔

''اب کرنا پڑے گا پاپا اس لئے کہ وہ صرف آپ کا داماد یا میرا شوہر ہی نہیں ہے میرے ہونے والے بچے کا باپ بھی ہے۔'' اس نے دھماکا کیا تھا جس میں پاپا کا نہیں خود کا اس کا اپنا آپ ہی تباہ ہو گیا تھا، پھر وہ تھی اور ان کا غصہ نفرت اور طیش، انہوں نے جاہل عورتوں کی طرح اسے مارا پیٹا تھا، اس طرح کہ وہ حال سے بے حال ہو گئی تھی۔

''تم نے ایسا زک پہنچایا ہے مجھے ورشہ کہ میں تمہیں شوٹ کرنا چاہ رہا ہوں، سنو میں ایسا نہیں کر سکتا میں جانتا ہوں تم میری اولاد ہو مجھے پیاری ہو، مگر وہ میرا کچھ نہیں لگتا اس سے صرف نفرت کا رشتہ ہے میرا اگر تم نے میری بات نہ مانی تو میں اسے قتل کرا دوں گا اور تم جانتی ہو کہ میں ایسا کر سکوں گا یا نہیں۔'' اور وہ لرز گئی تھی بے اختیار ان کے قدموں پہ گر کر گڑگڑانے لگی تھی۔

''پلیز پاپا ایسا مت کریں آپ کو خدا کا

digest
novels
lovers
group

واسطہ ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' انہوں نے پاؤں کی ٹھوکر سے اسے جھٹک دیا تھا۔

''تو پھر میری بات سنو، اسے یہاں بلاؤ اور اس سے کچھ بھی ایسا کہو کہ وہ تمہاری جان چھوڑ دے اس کی زندگی اسی صورت میں بچ سکتی ہے۔'' ان کے لہجے میں کسی فرعون کی سی رعونیت تھی اور ورشے محض اسے زندہ دیکھنا چاہتی تھی، اسے خود سے بدگمان کرنا یوں بھی مشکل کہاں تھا، اس کے بعد تو سارے عذاب اسی کی جان پہ اترنا تھے، تو یہ بھی اسے منظور تھا اور اس نے ایسا ہی کیا تھا اور وہی ڈاکٹر بلال جسے اپنی طرف راغب کرنے کو اسے ہزار جتن کرنا پڑے تھے، محض ایک مرتبہ کی کوشش سے اس سے متنفر ہو گیا تھا، پھر وقت کیسے بیتا تھا اسے خبر ہی نہ ہو سکی تھی، ماما کو پہلے اس سے ہمدردی تھی وہ اس کے دکھ کو محسوس کر کے روتی تھیں مگر اب اس پہ بیت جانے والا سانحہ ان کی موت کا پیامبر ثابت ہوا اور پاپا جو اس کی واحد خوشی کو ابارشن کے ذریعے اس سے دور کر دینا چاہتے تھے، اس کی نوبت ہی نہ آئی اس کا مس کیرج ہو گیا تھا، یہ وہ آخری صدمہ تھا جو اسے اس کے حوالے سے ملا اور وہ بلک بلک کر روئی تھی مگر اس طرح رونے سے بھی بھلا نصیب کا لکھا کب ٹلا ہے۔

''صاحب کوئی آپ سے ملنے آیا ہے۔'' وہ ابھی کچھ دیر قبل ہی ہاسپٹل سے آیا تھا، ملازمہ سے بڑے عرصے بعد فرمائش کر کے اس نے کوفتے بنوائے تھے، ساتھ میں ابلے ہوئے چاول اسے یہ مینو بہت پسند تھا میٹھے میں کھجور کا حلوہ، افطار میں ابھی ایک گھنٹہ تھا، وہ عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد ٹیرس پر کرسی ڈالے صبح کا اخبار پڑھتے ہوئے ٹھنڈی پر کیف ہوا سے محفوظ ہو رہا تھا جب ملازمہ نے آ کر یہ اطلاع دے کر حیران کر دیا۔

''کون ہے؟''

''پتہ نہیں صاحب پہلے کبھی دیکھا نہیں، مگر خوب گورا چٹا اونچا لمبا سوٹڈ بوٹڈ آدمی ہے۔'' وہ الجھتا ہوا اٹھ کر ڈرائینگ روم میں آیا تو سامنے صوفے پہ آغا خان ابراہیم کو دیکھ کر اس کے چہرے پہ ایک دم تناؤ چھا گیا۔

''نہیں بلال پلیز ایسے نہیں رکو اور میری بات سنو۔'' وہ لب سختی سے بھینچے ایک جھٹکے سے پلٹا تھا کہ وہ سرعت سے لپک کر اس کے راستے میں آ کر ملتجی ہوتے ہوئے بولے۔

''میرا نہیں خیال کہ اب سننے سنانے کو کچھ باقی رہ گیا ہے، میں حیران ہوں آپ کو اتنے عرصے بعد یہ ضرورت کیوں محسوس ہونے لگی۔'' وہ جس قدر تلخی سے کہہ سکتا تھا کہہ گیا تھا۔

''تم بہت غصے میں ہو اور ہونا بھی چاہیے جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا اس کے بعد تمہارا رویہ درست ہے مگر بلال اگر کوئی گناہ کرے غلطی کا احساس کرے اور نادم ہو تو کیا اسے معافی مانگنے کا حق نہیں ہے۔'' ان کی بات پہ وہ عجیب سے انداز میں ہنسا۔

''کیوں نہیں ہے حق مگر معافی مانگنے کے بعد معاف کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ تو اس کے پاس ہو گا نا جسے آپ زیادتی یا ظلم کا نشانہ بنا چکے ہیں۔''

''شیور وائے ناٹ۔'' انہوں نے سر جھکا کر آہستگی سے اتفاق کیا۔

''تو پھر ٹھیک ہے آپ کہیے کیا کہنا چاہ رہے ہیں۔'' وہ کاندھے اچکا کر کہتا انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتا صوفے کی جانب آ گیا۔

''میں تم گزارش کرنے آیا ہوں بلال، معافی مانگنے آیا ہوں، میں وہ انسان ہوں جس نے زندگی دولت کے غرور اور حیثیت کے تکبر میں گزاری یہی غرور اور تکبر کسی کے سامنے بھی جھکنے

نہیں دیتا تھا، جھکنا اچھی بات بھی نہیں، مگر عاجزی اپنے بندوں میں رب کو بہت پسند ہے، میرا یہی تکبر تھا کہ میں زندگی کے کسی بھی معاملے کو صحیح طور پہ نہ سنبھال پایا، شاہ رخ سے قتل ہوا میں نے اللہ کے قانون کو توڑتے ہوئے خون بہا میں انہیں نہ تو خون کا بدلا دیا نہ ہی اس کے بدلے میں انہیں اپنی جائیداد جس کا وہ لوگ مطالبہ کر چکے تھے، یہیں نہیں بس کیا اپنی بیٹی پہ بھی جبر کیا ہر لحاظ سے تم ان حالات سے واقف تھے، مگر جب مجھے پتہ چلا ورشے میرے بات سے انکار کر کے تمہارے ساتھ اپنی خوشیاں تلاش چکی ہے تو مجھے لگا جیسے میں پہلی بار ہارا ہوں وہ بھی ایک معمولی کم حیثیت انسان کے سامنے بس یہی خیال مجھ سے گناہ پہ گناہ کروا گیا، ورشے کو میں نے دھمکی دی تھی کہ وہ تمہیں چھوڑ دے ورنہ میں تمہیں قتل کروا دوں گا اور میں ایسا کر بھی گزرتا اگر وہ تمہارے خون سے بدگمان نہ کرتی ورشے کی ماں جو ہمیشہ ہی مجھ سے شاکی رہی تھی بیٹی پہ ہونے والا یہ ظلم برداشت نہ کر پائی اور اس نے مجھے میری زیادتی کا احساس یوں دلایا کہ خودکشی کر کے مجھے ایک کبھی نہ ختم ہونے والا ملال دے گئی، ورشے ان دنوں پریگننٹ تھی اور میں اس سے تمہاری سبھی حوالے چھین لینا چاہتا تھا، میرا ارادہ اس کا ابارشن کروانے کا تھا، مگر پے در پے صدمات نے اس کا مس کیرج کر دیا، ایک طرح سے یہ گناہ بھی میرے سر آیا تھا، اب پتہ نہیں یہ اپنے گناہوں کا احساس تھا یا میں اندر سے واقعی ڈھے گیا تھا کہ مجھ پہ فالج کا اٹیک ہوا تھا، دو سال تک میں نے لاچار زندگی گزاری اور سسک سسک کر رب سے معافی کی درخواستیں پیش کرتا رہا اور دو سال کی طویل بیماری کے بعد جب میں تندرست ہوا تو مجھے سمجھ نہیں آ پائی تھی، زندہ کیونکر بچا ہوں مگر اب جب مجھے تمہارے پاکستان آنے کا پتہ چلا تو میں نے جانا ہے بلال خدا مجھے تم سے معافی مانگنے کا ایک موقع فراہم کر رہا ہے، میں اپنے تمام جرائم کے اعتراف سمیت تم سے معافی مانگتا ہوں بلال اس لئے کہ جب تک تم معاف نہیں کرو گے میرا رب مجھے معاف نہیں کرے گا۔" وہ رو پڑے تھے۔

"میں اکثر سوچتا ہوں جس بیٹے کے خاطر میں نے بیٹی کے ساتھ یہ سب کیا وہ میری دو سالہ بیماری کے دوران ایک بار بھی امریکہ سے نہیں آیا اور ورشے وہ مجھ سے بدگمان اور شاکی ہونے کے باوجود میری خدمت کرتی رہی، بلال وہ تمہارے ساتھ مخلص تھی بیٹا اور ہے پلیز اس کی سزا کو ختم کر دو۔" انہوں نے ہچکیوں سے روتے ہوئے کہا تھا، وہ اٹھ کر چلا گیا ان کی بات کا جواب نہیں دیا۔

اس نے گاڑی ریسٹورنٹ کے سامنے کھڑی کی اور بارش کی بوندوں سے بچتی تقریباً دوڑتے ہوئے قدموں سے سیڑھیاں پھلانگتی گلاس ڈور دھکیلتے ہوئے اندر داخل ہوئی، آج تیسواں روزہ تھا، زیادہ جوش و خروش تو تیسویں روزے کو ہی ہوا کرتا ہے، آج تو سب کو پتہ تھا کل عید ہے وہ بھی گھر سے وہی تیاری کرنے نکلی تھی جو کل کو شش کے باوجود رہ گئی تھی اور شاپنگ کے دوران ٹائم گزرنے کا تو پتہ ہی نہ چلا، افطار میں پندرہ منٹ تھے جب وہ شاپنگ مال سے نکلی اور باہر ہوتی بارش کو دیکھ کر مزید پریشان ہو گئی راستے میں جگہ جگہ ٹریفک جام ہوتا، وہ اطمینان سے افطار کرنا چاہتی تھی جبھی ریسٹورنٹ کا رخ کیا تھا مگر یہاں بھی پہلے ہی مقام پہ اس کا دل الجھ کر رہ گیا، بالکل سامنے گلاس وال کے ساتھ ٹیبل پہ بلال موجود تھا اور سیل فون پہ کسی سے محو گفتگو ایک پل کو تو اس کا جی چاہا تھا یہیں سے پلٹ جائے، مگر پھر سوچ کر مردہ قدموں سے چلتی ایک خالی ٹیبل پہ آ بیٹھی،

digest library.com

زاویہ ایسا تھا کہ وہ نگاہوں کے سامنے تھا اور نظروں پہ پہلے کب اختیار رہا تھا جواب رہتا اور وہ اپنی نظروں کے اس بے اختیاری پہ بند باندھنے کو ہی کرسی کا رخ بدل کر منہ دوسری سمت پھیر چکی تھی، ویٹر کو آرڈر نوٹ کرانے کے بعد وہ ہاتھوں کے پیالے میں چہرا ٹکائے کسی سوچ میں گم ہو چکی تھی جب اس کے سامنے ٹیبل پہ کسی نے آہستگی سے اپنی انگلیاں بجائیں۔

''بس یہی تھی تمہاری ہمت۔'' اس نے سر اٹھایا اور ساکن رہ گئی چہرہ اس کے سامنے تھا اور مسکرا رہا تھا، کیا پھر بھی وہ حیران نہ ہوتی۔

''یہاں بیٹھ کر چوری چوری دیکھ رہی تھیں، وہاں میری ٹیبل پہ آ جاتیں کم از کم لوگ تمہاری طرف سے مشکوک تو نہ ہوتے۔''

اب انہیں کون بتائے کہ یہ لڑکی اس آدمی کی بیوی ہے، وہ اسے اپنے پاس دیکھ کر صرف حیران ہوئی تھی، اس کی باتوں پہ ششدر رہ گئی آنکھیں پوری کھولیں اور منہ وا ہو گیا، وہ اس کی حالت پہ حظ لینے والے انداز میں مسکرایا تھا۔

جی چاہتا ہے چوم لوں فرط شوق سے
وہ لب جو مجھے دیکھ کر حیرت سے کھل گئے

اس کی گنگناہٹ پہ ورشہ ایکدم خفت زدہ ہوئی تھی اور سنبھل کر بیٹھتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔

''کیسی ہو۔'' وہ اس کے سامنے براجمان ہو کر آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا اور جواب میں اس کی انکھوں میں باہر ہونے والی برسات اتر آئی، کیا نہیں تھا ان آنکھوں میں بے بسی لاچاری ظلم کی داستان صبر کی منزلوں کی کہانی اذیتوں تنہائیوں کی کربناکیاں، وہ بے بس سا ہو گیا۔

''پلیز ورشہ مت روؤ اور ایسے مت دیکھو یار غلطی تمہاری تھی ابھی ڈھنگ سے محبت کا یقین دلایا نہیں تھا کہ بدگمان کر ڈالا، میرا قصور اتنا تو نہیں کہ تم مجھے اب آنسوؤں کے سمندروں میں بہانے پہ تل گئیں۔'' وہ سنجیدہ ہو کر بھی سنجیدہ نہیں ہوا تھا۔

''پلیز بلال پلیز مجھے صرف یہ بتاؤ کہ یہ سب کیوں کر رہے ہو جبکہ کل تک تو تم نفرت میں۔''

''ہاں۔'' اس نے ٹھنڈا سانس کھینچا۔

''تمہارے پاپا آئے تھے۔'' وہ ساری بات بتاتا چلا گیا، پھر آہستگی سے بولا تھا۔

''بہت کچھ کھویا ہے ہم نے تب جا کے یہ اطمینان اور خوشی ملی ہے ہماری زندگی کی ساری کہانی فلموں جیسی تھی جبھی تو تمہارے پاپا نے اینڈ پہ آ کر معافی مانگ کر اینڈ کو ہیپی کر دیا۔'' وہ ہنس رہا تھا۔

''اینڈ کیوں ہم نے تو اپنی زندگی شروع ہی ابھی کرنی ہے بلال۔'' وہ ٹوک گئی تھی۔

''ہاں وہ بھی تمہارے پاپا کی مکمل رضا مندی کے ساتھ۔'' اس نے چھیڑا۔

''یہ کیا تمہارے پاپا تمہارے پاپا کی رٹ لگا رکھی ہے آپ نے وہ آپ کے بھی کچھ لگتے ہیں۔'' ورشے نے خفگی جتائی۔

''ہاں بالکل تمہارے پاپا ہمارے سسر ہوا کرتے ہیں آئندہ میں انہیں اپنے سسر کہا کروں گا اب ٹھیک۔'' وہ اس کی سمت جھک کر ہنسا اور ورشے نے جھینپ کر اس کے کاندھے پہ ہاتھ دے مارا تھا، روزہ افطار ہو چکا تھا، رمضان المبارک اس کی جھولی میں ڈھیروں خوشیاں ڈال کر رخصت ہو چکا تھا، بلال نے یونہی ہنستے ہوئے فنگر چپس کیچپ میں لتھیڑ کر اس کے منہ میں ٹھونس دیئے، دور افق پہ طلوع ہونے والا عید کا چاند ان کی خوشی اور مسکراہٹ کو دیکھ کر خود بھی مسکرا رہا تھا۔

☆☆☆